جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

شعبان المعظم
سنہ ۱۴۱۴ھ

فروری
سنہ ۱۹۹۴ء

ماهنامه

انوار مدینہ

جلد : ۲ | شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ ـ فروری ۱۹۹۴ء | شمارہ : ۵

مدیر

سیّد محمود میاں

مُدرّس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے	سالانہ ۱۱۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات ...	" ۴۵ ریال
بھارت، بنگلہ دیش	" ۱۰ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ	" ۱۶ ڈالر
برطانیہ	" ۱۷ ڈالر

◯ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ . . . . . سے آپ کی مُدّتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور۔ کوڈ ۵۴۰۰۰، فون ۲۰۱۰۸۶ ـ ۲۰۵۳۸۸

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز ——— ۳

سیرۃِ مبارکہ ——— حضرت اقدس مولانا سیّد محمّد میاںؒ ——— ۸

درسِ قرآن ——— حضرت مولانا قاری محمّد طیّبؒ ——— ۱۵

درسِ حدیث ——— حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ ———

مجھے منظور نہیں ——— جناب سیّد امین گیلانی ——— ۲۲

حضرت ابوبکر صدّیق رضؓ ——— حافظ حقانی میاں قادری ——— ۲۳

فراستِ مومن ——— حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ ——— ۳۱

پاکستان میں قیامِ امن ——— ڈاکٹر محمود الحسن عارف ——— ۳۷

رمضان کی فضیلت ——— قاری شریف احمد صاحب مدظلّہٗ ——— ۴۲

مسئلہ ایصالِ ثواب ——— حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدّظلہ العالی ۴۷

دارالافتاء ——— حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد ——— ۵۷

حاصلِ مطالعہ ——— مولانا نعیم الدّین ——— ۶۰

تبصرہ ——— ۶۳

رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلّہٗ خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلّہ العالی مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد۔ یو۔ پی۔ انڈیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

سید محمود میاں

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد! آج کل "انگریزی تعلیم کو پرائمری سے لازمی قرار دینے" کے حکومتی فیصلہ پر اخبارات میں کافی لے دے چل رہی ہے موافق و مخالف دونوں ہی پُرزور دلائل دے رہے ہیں جو قومی روزناموں میں ناظرین کی نظر سے گزرے ہوں گے۔ لہٰذا ہم ان کو نقل کرنے کے بجائے چند عالمی سطح کے واقعاتی اور مشاہداتی اُمور آپ کے گوش گزار کریں گے۔ جن سے آپ پر یہ بات واضح ہوجائے گی کہ کسی بھی سطح پر ہمیں انگریزی تعلیم کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ انگریزی تعلیم کے حامی حضرات کے تمام تر دلائل کی بُنیاد اس (خود ساختہ) اُصول پر ہے کہ انگریزی کی بین الاقوامی اور سائنسی حیثیّت مُسلّمہ ہے۔ جبکہ سائنسی حیثیّت کا مسلّم ہونا بالکل ہی غلط ہے۔ کیونکہ دُنیا کے بیشتر ترقی یافتہ ممالک میں نہ تو انگریزی ذریعۂ تعلیم ہے اور نہ ہی سائنسی علوم وفنون انگریزی میں ہیں مثلاً مشرقِ بعید میں جاپان ہے جو دنیا کا انتہائی ترقی یافتہ ملک ہے اس سے ذرا پہلے شمالی کوریا ہے جو ترقی کی منازل بڑی تیزی سے طے کر رہا ہے اور قریب آجائیں تو چین ہے جس کو قریب ترین زمینی رابطہ کے اعتبار سے پاکستان کا پڑوسی ملک کہا جاسکتا ہے، تقریباً اتنا ہی قریب روس بھی ہے جو سیاسی واقتصادی اعتبار سے اگرچہ زخم خوردہ ہے مگر عسکری اور سائنسی اور خلائی دوڑ میں اب بھی امریکہ کا ہم پلّہ ہے اس کی سرحدیں

ایک طرف الاسکا (امریکہ) کو جھانک رہی ہیں تو دوسری طرف یورپ کے اندر دُور تک گھسی ہوئی ہیں ایران و افغانستان تو پڑوسی ہونے کے ساتھ ساتھ مسلم ممالک بھی شمار کیے جاتے ہیں اگرچہ ترقی یافتہ ممالک میں نہیں ہیں مگر اُمورِ خارجہ پر ہم سے بہتر اور آزادانہ گرفت رکھتے ہیں، لیکن انگریزی زبان کا ان مذکورہ ممالک میں نام و نشان تک نہیں ہے اسکول و کالج میں مکمّل تعلیم ملکی زبانوں میں دی جاتی ہے۔ تمام دفتری عدالتی مالیاتی اُمور اپنی ملکی زبانوں میں تحریر کیے جاتے ہیں۔ بازاروں ریلوے اسٹیشنوں ہوائی اڈّوں تجارتی مراکز میں سائن بورڈ وغیرہ سب ملکی زبانوں میں ہوتے ہیں ماسوائے انٹرنیشنل اداروں کے وہ بھی بقدرِ ضرورت بطورِ رابطہ زبان انگریزی کا کہیں کہیں استعمال کیا جاتا ہے حتّٰی کہ سربراہان مملکت و دیگر وفود کے غیر ملکی دَوروں کے دوران (بلا شرم و حجاب) ترجمان کی مدد سے جملہ امور و معاہدات بلا کسی رکاوٹ کے بحسن و خُوبی انجام پاتے ہیں۔ اخبارات میں چھپنے والی غیر ملکی وفود کے دَوروں کی تصاویر سے اس کا بارہا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے۔

مغرب کی طرف ذرا آگے بڑھیں تو عرب ممالک آجاتے ہیں۔ یہاں بھی تعلیم سمیت تمام شعبہائے زندگی میں عربی زبان ہی رواں دواں ہے جن میں اکثر کو مال و دولت کی مستی نے غفلت کی گہری نیند سلادیا ہے جس کی بدولت آج وہ اپنے خارجی اُمور اور عسکری معاملات میں مغرب کے تقریباً زیرِ نگیں آچکے ہیں، مگر اس کے باوجود تعلیم سمیت تمام شُعبہ ہائے زندگی میں عربی زبان ہی جاری و ساری ہے، انگریزی سمیت کسی زبان کو وہاں عربی کے مقابلہ میں کوئی حیثیت حاصل نہیں ہے، حتّٰی کہ امریکہ نے وہاں تعیناتی امریکی فوجوں کو خصوصی طور پر ہدایات جاری کر رکھی ہیں کہ کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھیں جو عربوں کے فطری مزاج کے خلاف ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ رگِ غیرت پھڑک اُٹھے اور لینے کے دینے پڑجائیں ـــــ عرب سے شمال کی جانب یورپ میں داخل ہوں تو اسپین پرتگال فرانس، جرمنی سویڈن ناروے فن لینڈ ترکی بلغاریہ یُونان یوگو سلاویہ رومانیہ ہنگری چیکو سلواکیہ، پولینڈ، وغیرہ تمام ممالک میں اپنی اپنی زبانیں سرکاری طور پر جاری و ساری ہیں انگریزی زبان کا کوئی عمل دخل نہیں ہے جبکہ مال و دولت اور مادی ترقی کے اعتبار سے یورپ کے اکثر ممالک صاحب بہادر برطانیہ سے بہت آگے ہیں سڑکیں ریلوے اور دیگر ٹرانسپورٹ کا نظام امریکہ کے ہم پلّہ ہے بلکہ اسٹوڈنٹس اور عام آدمی کے لیے تعلیمی اور طبّی سہولتوں اور بعض دیگر رفاہی کاموں میں تو امریکہ بھی

ان سے بہت پیچھے ہے۔

خود یورپین ممالک میں انگریزی بولنے والے سے بات کرنا گوارہ نہیں کیا جاتا نفرت سے مُنہ موڑ لیا جاتا ہے فرانس و جرمنی میں جدید تعلیم کے لیے آنے والے غیر ملکی طلبا کو پہلے جرمنی یا فرانسیسی زبان سیکھنے کیلئے چھ چھ ماہ کے کورس کرنا پڑتے ہیں۔ بعد ازاں یونیورسٹیوں میں باقاعدہ تعلیم کے آغاز کی اجازت ملتی ہے۔ حتّٰی کہ صہیونی ریاست "اسرائیل" جس کو عام زبان میں لوگ امریکہ و طانیہ کا ناجائز بچّہ کہتے ہیں اور جس کی حرام زدگیوں کی وجہ سے دُنیا تباہی کے کنارے آلگی ہے۔ پھر بھی اسے بابائے انگریزی برطانیہ اور امریکہ کی بھرپُور تائید حاصل ہے اگر اس ریاست کے خالق و مالک صرف پچاس فیصد تائید سے دستبردار ہو جائیں تو ہم وثوق سے کہتے ہیں کہ یہ ابلیسی ریاست صفحۂ ہستی مٹ جائے ——— مگر ان ظاہری اور باطنی احسانات کے باوجود امریکہ کی ذیلی ریاست اسرائیل کی سرکاری زبان "ہبرُو" (HEBREW) ہے جو وہاں کے ۶۹ فیصد افراد کی زبان ہے تعلیمی اداروں اور دفاتر میں بھی یہی رائج ہے۔ انگریزی زبان کے مقابلہ میں اُنھوں نے اپنے ملک کے باشندوں کی زبان کے امتیاز کو سربلند رکھتے ہُوئے انگریزی کو کچھ مقام حاصل نہیں ہونے دیا۔ نیز دُنیا میں افراد کے اعتبار سے سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان چینی ہے۔ بین الاقوامی زبان ہونے کے باوجود انگریزی کو یہ مقام حاصل نہیں ہے۔

گزشتہ دنوں مولانا محمد خان صاحب شیرانی نے اپنے ایک بروہی دوست کا واقعہ سُنایا کہ وہ جرمنی گئے ہُوئے تھے جس سے بھی انگریزی میں بات کرتے وہ جواب دینا گوارہ نہ کرتا۔ فون پر بات کرتے تو بھی جواب نہ ملتا آخر بہت تنگ آئے فون پر اپنی بروہی زبان میں بات کرنا شروع کر دی اَب وہ جرمنی زبان میں چیخ رہا ہے تو یہ بروہی میں بولے چلے جا رہے ہیں آخر میں اس نے کہا کیا آپ کو تھوڑی بہت انگریزی آتی ہے تو اُنھوں نے کہا کہ ہاں کچھ کام چلا لیتا ہوں تب جا کے خلاصی ہوئی۔

رہا برطانیہ، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا کا معاملہ تو وہ بھی اسی اصول پر گامزن ہیں جس پر دیگر آزاد اقوام گامزن ہیں، چنانچہ اُنھوں نے اپنے ہاں اپنی ہی قومی زبان انگریزی کو رائج کیا ہے اور وہاں کسی بھی تعلیمی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے میں انگریزی کے علاوہ کسی اور دوسری زبان سے افادہ و استفادہ نہیں کیا جاتا۔

ان چند واقعاتی شہادتوں سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی ہے کہ انگریزی کوئی ایسی کیمیا اثر لغت نہیں ہے کہ جس کو اپنا کر ہی ترقی کی جا سکتی ہو، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہماری قوم کی بربادی کی سب سے بڑی علامت ملعون انگریز کی یہی نشانیاں ہیں جن کو ہم سینے سے لگائے کسی معجزے کے منتظر ہیں انگریز کو رخصت ہوئے نصف صدی ہو چلی ہے مگر اُس کے فرسودہ نظام کے حامی ہمارے فنڈامینٹلسٹ سیاستدانوں اور وزراء کی فوج ظفر موج سے خدا ہی جانے کب جان چھوٹے گی

ہمارے خیال میں پرائمری کی سطح پر انگریزی کو ہرگز لاگو نہ کرنا چاہیے بلکہ صرف اُردو زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دیا جائے اور اگر صوبے اپنی اپنی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے پر زور دیتے ہیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ پرائمری کی سطح تک ایسا ہی کر دیا جائے بعد ازاں اُوپر کی کلاسوں میں آخر تک اُردو ہی کو ذریعہ تعلیم قرار دیا جائے اور ایچی سن طرز کی تعلیم کو سرے ہی سے خیرباد کر دیا جائے۔ اسی میں ملک و قوم کی بھلائی ہے کہا جاتا ہے کہ ایچی سن طرز تعلیم سے طلباء میں اعتماد پیدا ہوتا ہے! جبکہ یہ بات خلافِ واقع ہے اعتماد تو تب کہا جاتا کہ اس طرزِ تعلیم کی پیداوار غیر مسلموں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی سکت رکھتی حالانکہ معاملہ اس کے خلاف ہے جس کا مشاہدہ ہر شخص آئے دن بارہا کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر چند سال پیشتر لیڈی ڈیانا کے دورۂ پاکستان کے موقع پر اسی ایچی سن طرزِ تعلیم کی پیداوار بیوروکریٹس اور سیاستدانوں اور نوجوان نسل کے غلامانہ اور مرعوبیت کے انداز استقبال نے ہر ذی شعور پاکستانی کا سر شرم سے جھکا دیا۔ اس طرزِ تعلیم کا کمال بس یہ ہے کہ اپنے ہی ہم وطنوں غیر تعلیم یافتہ یا کم تعلیم یافتہ طبقہ پر دھونس جمائے۔ ظاہر ہے اس کے نتیجہ میں طبقاتی نفرتیں ہی پیدا ہوں گی جو ملک و قوم کی تباہی کا سبب بن رہی ہیں۔

حکومت کے لیے یہ کام کچھ مشکل نہیں کہ وہ جدید سائنسی اور فنی علوم کے ماہرین پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل دے جو ان علوم کو اُردو میں منتقل کرے اور نئی اصطلاحات تجویز کرے اُردو لغت کے ماہرین کو ان کی معاونت پر مامور کر دیا جائے صرف دو تین سالوں میں ہم اس قابل ہو جائیں گے کہ از اوّل تا آخر تعلیم و تعلم کا سلسلہ اپنی قومی زبانوں میں جاری کر سکیں اس سے طلباء کے بستہ کا بوجھ بھی کم ہوگا اور دماغی بوجھ بھی نیز منتشر توانائیاں یکجا ہو کر تعلیم و تعلم میں بھرپور نکھار پیدا کریں گی اور پہلے سے زیادہ باصلاحیت و با اعتماد افراد ہر طبقہ سے وافر مقدار میں ملک کی خدمت کے لیے

تیار ہوں گے۔

○

البتہ انگریزی کی بین الاقوامی حیثیت کسی حد تک دُرست ہے مگر اس کی یہ حیثیت ہمارے اعصاب پر سوار نہ ہونی چاہیے، اس کے لیے اتنا کافی ہے کہ انگریزی بول چال کے لیے تین ماہ یا چھ ماہ کے کورس پر مشتمل مراکز قائم کر دیے جائیں جہاں لوگ مناسب حد تک انگریزی سیکھ لیا کریں۔

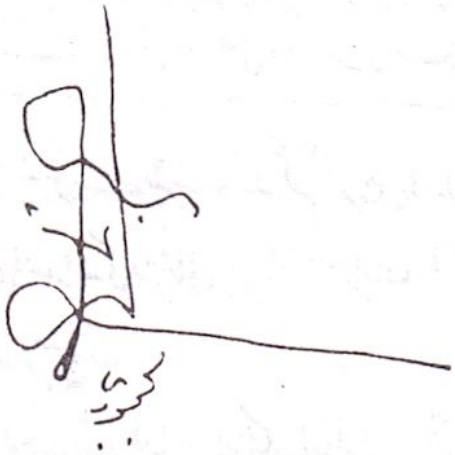

فاضلین جامعہ سے ضروری اپیل

اراکینِ جامعہ مدنیہ اپنے فارغین درسِ نظامی وقرأت سبعہ وعشرہ اور راویت حفص نیز فارغین طب اور جامعہ میں تکمیل حفظِ قرآنِ پاک کرنے والوں کے لیے بہت بڑے جلسۂ دستار بندی اور تقسیم اسناد کا پروگرام بنا رہے ہیں لہٰذا جمیع فارغین سے درخواست ہے کہ رابطہ کے لیے اپنے موجودہ مکمّل پتے فی الفور روانہ کر دیں تاکہ پروگرام طے پا جانے پر بروقت رابطہ کیا جا سکے اگر آپ کو دیگر فارغین کے پتوں کا علم ہو تو وہ بھی روانہ فرمائیں۔

○

نیز شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا السیّد حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے بلاواسطہ یا بالواسطہ متوسلین اور تلامذہ سے درخواست ہے کہ وہ اپنے مکمّل تعارف کے ساتھ اپنے مکمّل پتے ہمیں ارسال فرمائیں اگر آپ کا فون ہو تو اس کا نمبر بھی تحریر فرمائیں۔

(قسط:۱۷)

بیعتِ عقبہ دوم

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمدؐ میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف سیرۃ مبارکہ "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

پچھلے سال چھ مسلمانوں کی کوشش سے یثرب کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا ہونے لگا تھا۔ اس سال حضرت مصعب بن عمیر مقری رضی اللہ عنہ کی رہنمائی میں بارہ حضرات نے کوشش کی تو نہ صرف یثرب، بلکہ یثرب سے باہر موضع قبا تک اسلام پہنچ گیا۔

اسلام کیا تھا؟ صرف کلمۂ توحید پڑھ لینا؟ بے شک قانونی اور فقہی نقطۂ نظر سے کسی کو مسلمان قرار دینے کے لیے یہی کافی ہے، لیکن سیدنا مصعب بن عمیرؓ جس اسلام کا درس دے رہے تھے وہ قانونی نمائش سے بہت بلند تھا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کا مکتب، مکتبِ عشق تھا۔ یہاں ایثار اور فدائیت کا درس دیا جاتا تھا۔ مشائخ طریقت کے یہاں "درجہ فنا" آخری منزل ہے۔ یہ حضرت مصعبؓ کی خانقاہ کا پہلا سبق ہوتا تھا۔

قرآن حکیم نے مومن کی یہ شان بتائی ہے: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ[1] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ[2]۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی دعوت کی خصوصیت یہ تھی کہ جیسے ہی زبان پر کلمۂ توحید جاری ہوتا دل کے خلوت کدہ میں عشق و محبت کی شمع روشن ہو جاتی، جو نہ صرف ظلمت دور کرتی، بلکہ انانیت کو بھی

---

[1] جو ایمان لائے وہ بہت مضبوط ہوتے ہیں اللہ کی محبت میں۔

[2] کوئی مومن کہلانے کے لائق نہیں ہوتا جب تک میں اس کو باپ اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

فنا کر دیتی تھی۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یثرب میں تشریف لانے کی دعوت دینا صرف ایک معزّز مہمان کو بلانا نہیں تھا، بلکہ ایک ہیبت انگیز اور حد سے زیادہ پُرخطر اقدام تھا۔ آپ کو تشریف لانے کی دعوت دینا ایک عظیم ترین انقلاب کو دعوت دینا تھا۔ یعنی ایسی حاکمیّت کو تسلیم کرنا تھا جس کے مقابلہ میں ہر ایک کی حاکمیّت ختم ہو رہی تھی۔ اوس اور خزرج کے رؤسا اور شیوخ خصوصاً عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس خزرج اور ابوعامر بن سیفی بن نعمان رئیس اوس، جو نہ صرف حاکمیّت بلکہ ملوکیّت اور بادشاہت کے خواب دیکھ رہے تھے آپ کا مدینہ تشریف لے آنا ان سب کے لیے پیغامِ ناکامی تھا، جو ان سب کے لیے مایوس کن تھا جو اُن کی حاکمیت تسلیم کرانے کے لیے اتنے سرگرم اور پُرجوش تھے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کے لیے شاہانہ تاج کی تیاری کی فرمائش بھی دے چکے تھے۔ دوسری طرف آپ کی تشریف آوری قریش کی ناکامی تھی اور تشریف آوری کی دعوت دینا قریش جیسی جماعت کے مقابلہ میں سینہ سپر ہونا تھا، جس کی عظمت کی چھاپ ہر ایک عربی بولنے والے کے دل پر تھی اور جس کی ناکامی پورے عرب کی ناکامی تھی۔ اس کے علاوہ اقتصادی مسائل بھی نہایت اہم تھے۔ مثلاً محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار جو اہل و عیال کو ساتھ لے کر آئیں گے ان کی ضروریاتِ زندگی کس طرح فراہم ہوں گی۔

یہ تمام مسائل تھے۔ جو ایمان لانے والے تھے وہ دانش مند تھے، ان تمام باتوں کو سمجھتے تھے، مگر ان کے ایمان کی حرارت اس طرح کے تمام خطرات کے لیے برقِ خرمن سوز تھی ؎

عشق چوں خام ست باشد بستہ ناموس و ننگ
پختہ مغزانِ جنوں را کے حیا زنجیر پاست
باہر کمال اندکے آشفتگی خوش ست
ہر چند عقلِ کل شدہَ بے جنوں مباش

یہ نومسلم تھے۔ ان کا اسلام نیا تھا، مگر یہ نیا اسلام سراسر عشق تھا، جس نے محبوب کے لیے ہر ایک قربانی اور ایثار کو محبوب بنا دیا تھا ؎

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مُسلماں ہونا

حج کا زمانہ آیا۔ اوس اور خزرج کے تقریباً پانچ سو افراد حج کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ اہلِ ایمان بھی اس عزم کے ساتھ روانہ ہوئے کہ محبوبِ ربُّ العالمین کو دعوت دیں کہ وہ مکہ کی خشک پہاڑیوں کو خیرباد کہیں اور یثرب کے سبزہ زار کو ایمان کا کشتِ زار بنائیں، لیکن یثرب کے سربراہ جو قریش کے ہم مشرب و ہم نوا تھے اس جرأت کے لیے تیار نہیں تھے جس میں قریش سے براہِ راست تصادم تھا، لہٰذا ان فدا کاروں نے اپنے منصوبہ کو پوشیدہ رکھا۔ ان کی تعداد تہتّر تھی[1]۔ ان میں دو عورتیں تھیں۔ تیس نوجوان باقی ادھیڑ عمر۔

مکہ پہنچ کر بھی اس منصوبہ کو راز ہی رکھا اور رازداری کے ساتھ ہی تاریخ، وقت اور مقام طے کیا گیا۔ ۱۱ ذی الحجہ[2] کی رات چاند آدھی مسافت طے کر چکا تھا سو گئے تو طے کردہ خفیہ قرارداد کے بموجب اسلام کے یہ جاں نثار فرداً فرداً روانہ ہوئے[3] اور اسی گھاٹی میں پہنچے جہاں گزشتہ سال بیعت ہوئی تھی۔ سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے چچا عباس وہاں رونق افروز ہو چکے تھے۔

یہ بھی خواجہ ابوطالب کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے بہی خواہ محافظ اور جان چھڑکنے والے مددگار تھے اور اگرچہ عمر میں صرف دو سال بڑے تھے، مگر خود کو اپنے عزیز بھتیجے کا سرپرست[4] سمجھتے تھے اور تجارتی کاروبار کی وجہ سے باہر آنا جانا رہتا تھا، تو قبائل سے واقف تھے، شیوخِ قبائل سے تعلقات تھے۔ ان کو جانتے پہچانتے تھے۔ اس تعارف کے ساتھ خوبی یہ تھی کہ بات کرنے کا اچھا سلیقہ بھی تھا۔ چنانچہ جب آنے والے آگئے تو سلسلہ کلام آپ نے ہی شروع کیا۔

آپ جس ارادہ سے آئے ہیں یقین ہے کہ اس کی ذمّہ داری کا بھی آپ صاحبان نے بخوبی اندازہ کر لیا ہوگا۔ محمدؐ کی حمایت پورے عرب کی مخالفت ہے۔ محمدؐ اپنے خاندان کے سب سے زیادہ باعزت

---

[1] ابن ہشام ص ۲۶۶ ج ۱ ابنِ اسحاق نے ان کے نام بھی شمار کرائے ہیں ص ۲۷۳ تا ص ۲۷۹ ج ۱

[2] وسط ایام التشریق لیلۃ النفر الاوّل اذا ھدأت الرجل (ابن سعد ص ۱۴۹ ج ۱) فتسلل تسلل القطا مستخفین (ابنِ ہشام ص ۲۶۶ ج ۱ [3] سب سے پہلے رافع بن مالک زرقی رضی اللہ عنہ باریاب ہوئے ابنِ سعد ص ۱۴۹ ج ۱ [4] تعمیرِ کعبہ کے وقت جب پتھر ڈھو رہے تھے تو آپ نے اسی بزرگانہ شفقت کی وجہ سے بھتیجے حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو فرمائش کی تھی کہ لنگی کھول کر مونڈھے پر رکھ لیں تاکہ پتھر کی رگڑ نہ لگے۔

رکن ہیں۔ خاندان کا ہر فرد اُن کی حفاظت کے لیے سربکف رہتا ہے۔ جوان کے ہم نوا ہو گئے ہیں وہ ہمنوائی کی وجہ سے اور جوان کے ہم نوا نہیں ہوئے ہیں وہ خاندانی حمایت، قرابت اور خود ان کے اخلاق و کردار کی وجہ سے ان کے جاں نثار ہیں۔ محمدؐ کی حفاظت سے ہم نہ اکتائے ہیں نہ تھکے ہیں۔ محمدؐ نے خود ہی آپ کی دعوت منظور کی ہے اور وہ ہم سے الگ ہو کر آپ کے یہاں جانا چاہتے ہیں۔

آپ پوری طرح غور کرلیں۔ اپنی طاقت اور ہمّت کا موازنہ کرلیں۔ پورے عرب کی متحدّہ طاقت سے آپ کو مقابلہ کرنا ہوگا۔ سارا عرب ایک کمان سے آپ پر پتھر برسائے گا۔ کیا آپ میں مقابلہ کی طاقت ہے۔ آپ صاحبان کو لڑائیوں کا تجربہ ہے۔ کیا آپ لوگ نامعلوم مدّت تک پامردی اور استقلال سے پورے عرب کے مقابلے میں ثابت قدم رہ سکیں گے۔ صاف بات اچھی ہوتی ہے۔ پوری طرح سوچ لو۔ جدا ہونے سے پہلے پختہ فیصلہ کرلو۔ بعد کی شرمندگی سے اس وقت کی صاف بات ہزار درجہ بہتر ہے[1]۔

حضرت عباس کی بات ختم ہوئی تو حضرت براء بن معرورؓ[2] نے مجمع کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا:

آپ نے جو فرمایا ہم پہلے سے ہی سمجھے ہوئے ہیں۔ ہم وفاداری، سچائی اور رسول اللہ کی حفاظت میں اپنی جانیں قربان کر دینے کا عزمِ مصمم لے کر یہاں آئے ہیں، لیکن ہم چاہتے ہیں کہ حضرتِ والا (جن کے لیے سر ہتھیلی پر رکھ کر ہم یہاں آئے ہیں) وہ خود فرمائیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کلامِ پاک کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں۔ پھر فرمایا۔ میں

(الف) اپنے رب (پروردگار) کے لیے یہ چاہتا ہوں کہ صرف اسی "وحدہٗ لاشریک لہٗ" کی عبادت کرو۔ اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔

(ب) اپنی ذات اور اپنے صحابہ (ساتھیوں) کے لیے یہ چاہتا ہوں کہ ہمیں رہنے کو جگہ دو۔ ہماری

---

[1] ابنِ سعد ص ۱۴۹ ج ۱ [2] یہ سب سے زیادہ سن رسیدہ اور اپنی جماعت کے سردار تھے۔ سیّدنا و کبیرنا (کعب بن مالک رضی اللہ عنہ) (سیرۃ ابن ہشام ص ۲۶۴ ج ۱) مگر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مدینہ میں تشریف آوری سے ایک ماہ پہلے وفات پاچکے تھے۔ (فتح الباری)

لطیفہ: جب یہ حضرت (براء بن معرور) یثرب سے روانہ ہوئے تو راستہ میں سوال پیدا ہوا کہ نماز کس رُخ پڑھنی چاہیئے۔ شام کا رُخ کر کے یا کعبہ کا رُخ کر کے۔ سب کی رائے ہوئی کہ شام کی طرف، مگر حضرت براء نے طے کیا کہ وہ کعبہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

مدد کرو اور جس طرح تم خود اپنی جانوں کی حفاظت کرتے ہو ہماری بھی حفاظت کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ جس طرح اپنے بچوں اور عورتوں کی حفاظت کرتے ہو ہماری حفاظت کرو۔

مجمع نے دریافت کیا۔ ہمیں کیا ملے گا۔ فرمایا[1]۔ "جنت[2]"۔

اس کے بعد جوابی تقریریں شروع ہوئیں۔

(۱) سیّد القوم حضرت براء بن معرور نے دستِ مبارک پر اپنا ہاتھ رکھا اور عرض کیا :

یقیناً ہم اسی طرح حفاظت کریں گے۔ ہم کسی کے مقابلہ سے جان چرانے والے نہیں ہیں۔ (ہم ابناء الحروب ہیں) لڑائیوں کی گود میں پلے ہیں۔ آباء و اجداد سے یہی ترکہ میں ملا ہے۔

(۲) عباس بن عبادہ بن نضالہ انصاری مجمع کو خطاب کرتے ہوئے :

حضرات آپ سمجھتے ہیں کیا ہو رہا ہے۔ ہم عہد کر رہے ہیں کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حمایت میں پوری دنیا کا مقابلہ کریں گے۔ ہر ایک گورے اور کالے کے مقابلے میں سینہ سپر ہوں گے۔ جانیں قربان کریں گے، مال لٹائیں گے۔ ہمارے سردار مارے جائیں گے۔ کیا ہم تیار ہیں۔ اگر ایسا نہ کر سکیں تو کل کے بجائے آج الگ ہو جائیں۔ آج دامن بچا لینا کل کی رسوائی سے بہت بہتر ہے۔

(۳) حضرت ابوالہیثم بن تیہان : یا رسول اللہ گستاخی معاف۔ ایک بات واضح کرنی ہے۔ یہودیوں اور دوسرے قبائل سے ہمارے تعلقات ہیں۔ یہ تعلقات اب باقی نہیں رہیں گے، مگر ایسا تو نہ ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب فرما دے آپ ہمیں چھوڑ کر اپنے لوگوں میں چلے جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ سُنے تو مسکراتے ہوئے فرمایا :

یہ نہیں ہو سکتا۔ آپ کا خون میرا خون، آپ کی ناکامی میری ناکامی۔ میں آپ کا آپ

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کی طرف نماز پڑھا کریں گے۔ راستہ بھر یہی رہا کہ ساتھی شام کی طرف نماز پڑھتے رہے اور یہ کعبہ کی طرف۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے استفتا کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی طرف نماز پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ سیرۃ ابن ہشام ص : ۲۶۴-۲۶۵- ج : ۱ -

[1] مسند امام احمد ص: ۱۲۰، ج : ۳، و سیرۃ ابن ہشام ص: ۲۶۶، ج : ۱- [2] کسی دُنیاوی ترقی یا برتری کا وعدہ نہیں ہے جو کچھ ہو آخرت کے لیے ہو۔ صرف اسی کا وعدہ ہے اور یہی نصب العین ہے۔ محمد میاں عفی عنہ

میرے۔ جن سے تمہاری جنگ ان سے میری جنگ۔ جن سے تمہاری صلح ان سے میری صلح۔

اس کے بعد سلسلۂ بیعت شروع ہوا۔ حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے بیعت کی[1]۔ بیعت میں اسی عہد کو دہرایا گیا جو پہلی بیعت (عقبۂ اولیٰ) کی بیعت کے وقت کیا گیا تھا کہ خدا وحدہٗ[1] کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے۔ اللہ کا کسی کو شریک نہیں گردانیں گے۔ چوری[2] نہیں کریں گے۔ زنا[3] نہیں کریں گے۔ اپنی اولاد[4] کو قتل نہیں کریں گے۔ کسی پر بہتان[5] نہیں باندھیں گے۔ جس اچھی بات کا حکم کیا جائیگا تعمیل کریں[6] گے۔ نافرمانی نہیں کریں گے۔

اس کے علاوہ یہ بھی عہد لیا گیا:

کسی کو ناحق[7] قتل نہیں کریں گے۔ لوٹ[8] نہیں[9] ڈالیں گے۔ ہر موقع پر حق بات کہیں گے کسی کی مذمت و

---

[1] ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ بنو نجار کا دعویٰ ہے کہ سب سے پہلے حضرت اسعد بن زرارہ نے بیعت کی اور بنو عبدالاشہل کہتے کہ سب سے پہلے حضرت ابوالہیثم بن تیہان نے بیعت کی، مگر ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ حضرات بہت پہلے مسلمان ہو چکے تھے اس وقت ان حضرات نے مکرر بیعت کی۔ نئے بیعت کرنے والوں میں اس وقت حضرت براء ہی تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[2] سورۂ ممتحنہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمائش کی گئی ہے کہ جو عورتیں ہجرت کر کے آئیں اُن سے آپ بیعت لیجیے اس بیعت میں انہیں چھ چیزوں کا تذکرہ ہے۔ اس مناسبت سے اس بیعت کو بیعت نساء کہتے ہیں مردوں سے اس موقع پر انہیں باتوں کا عہد کرایا گیا۔ اس کے بعد بہت سے موقع آئے۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص اس موقع کے لحاظ سے صحابۂ کرام سے بیعت لی ہے۔ مثلاً ایک مرتبہ اس پر بیعت لی اور عہد کرایا کہ کسی سے کوئی سوال نہیں کریں گے۔ ایک مرتبہ اس پر بیعت لی کہ ہر ایک کے حق میں خیر خواہی کریں گے (بخاری شریف ص۱۳) یا مثلاً حدیبیہ کے موقع پر بیعت لی گئی، جس کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے کہ مر جائیں گے مگر میدان سے نہیں ہٹیں گے۔

[3] لا نقتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق۔ ولا ننہب ولا نعصی بالجنۃ۔ (بخاری شریف ص۵۵۰، ۵۵۱)

[4] یاد رکھیے غنیمت کو لوٹ نہیں کہا جا سکتا۔ لوٹ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ کبیرہ قرار دیا ہے جس طرح مُثلہ (ناک کان کاٹ ڈالنے) سے منع فرمایا ایسے ہی (النہبہ) لوٹ سے منع فرمایا۔ اس پر بیعت لی کہ لوٹ نہیں ڈالیں گے (بخاری شریف ص۳۳۶) لوٹ ڈالنے والے کے متعلق فرمایا۔ لیس منا سیکا (ابوداؤد شریف) گویا وہ

ملامت کا خوف ہمیں کبھی بھی حق بات کہنے سے نہیں روک سکے گا۔ جب رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلم) یثرب تشریف لے آئیں گے تو اپنی اولاد اور خود اپنی جانوں کی طرح ان کی حفاظت کریں گے۔[1] ان سب باتوں کا بدلہ جنّت ہوگا۔[2]

بارہ نقیب

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس جماعت میں بارہ نقیب منتخب فرمائے۔ تاکہ حالات[3] کی نگرانی رکھیں۔ ان کے نام خود انصار نے پیش کیے تھے۔ ان میں سے نو خزرج کے تھے اور تین اوس کے۔ بروایت ابنِ اسحاق ان کے نام یہ ہیں:

ابو امامہ۔ اسعد بن زرارہ۔ سعد بن ربیع۔ عبداللہ بن رواحہ۔ رافع بن مالک۔ براء بن معرور۔ عبداللہ بن عمرو بن حرام۔ عبادہ بن صامت۔ سعد بن عبادہ۔ منذر بن عمرو بن خنیس۔ اُسید بن حُضیر۔ سعد بن خثیمہ۔ رفاعہ بن عبدالمنذر۔

جلسہ ختم ہوا۔ سب حضرات اپنی اپنی قیامگاہوں پر خاموشی سے واپس ہوگئے۔[4] طے یہ ہُوا کہ صبح سویرے الگ الگ اپنی اپنی قیام گاہ سے مدینہ روانہ ہوجائیں گے۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) مسلمان ہی نہیں ہے۔ لُوٹ کا مقصد ذاتی مفاد ہوتا ہے۔ خوفِ خدا جماعتی نظم یا امانت اور دیانت کا کوئی ضابطہ لُوٹ میں نہیں ہوتا۔ غنیمت میں یہ تمام باتیں شرط ہوتی ہیں۔ غنیمت میں جو کچھ لیا جاتا ہے وہ پُوری احتیاط اور دیانتداری کے ساتھ جمع کرایا جاتا ہے۔ ایک شخص میدانِ جنگ میں مارا گیا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ھو فی النار۔ یہ دوزخ میں گیا۔ صحابہ کو تعجب ہُوا۔ سامان کی تلاشی لی تو ایک عبا (اچکن) برآمد ہُوئی جو مالِ غنیمت میں سے بلا اجازت اس شخص نے رکھ لی تھی (بخاری شریف ص: ۴۳۲) انتہا یہ کہ جوتے کے تسمہ کے متعلق بھی یہی ارشاد ہُوا "شراك او شراكين من نار" (بخاری شریف ص: ۶۰۸) غنیمت کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ غنیم کے مال کو سرکاری طور پر ضبط کر لینے کا نام غنیمت ہے۔ کچھ ناآشنائے ادب مصنّف جو بظاہر اپنا درجہ حضرات صحابہؓ سے کم رکھنا نہیں چاہتے وہ غنیمت کے لیے بلا تکلّف لُوٹ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ معاذ اللہ۔۔۔

[1] بیہقی بحوالہ البدایہ والنہایہ ص: ۱۶۳، ج: ۳ [2] بخاری شریف، ص: ۵۵۱ [3] لیکونوا علی قومِھِمْ بما فیھِمْ (ابنِ ہشام ص: ۲۶۷، ج: ۱) [4] سیرۃ ابنِ ہشام ص: ۲۶۷، ج: ۱۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ میں ان سب ناموں کو جمع کر دیا ہے۔ (ص: ۲۶۸، ج: ۱، ابنِ ہشام)

○

(قسط: ۱۰)

درسِ قرآن حکیم

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
تبویب و تزئین: مولانا نعیم الدین صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ۱۳۸۸ھ میں ماہ رمضان بمبئی میں گزارا وہاں کے احباب کے اصرار پر آپ پورے رمضان المبارک شام کی نماز کے بعد درسِ قرآن دیتے رہے۔ ان درسوں میں آپ نے سورۃ الملک پ ۲۹ کی تفسیر بیان فرمائی، آپ کے یہ درس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے محفوظ کر لیے گئے تھے۔ احقر کا اکتوبر ۱۹۸۸ء میں دیوبند جانا ہوا تو وہاں سے یہ قیمتی کیسٹیں حاصل کر کے لاہور لیتے آیا۔ ارادہ تھا کہ ان قیمتی دروس کو کیسٹوں سے منتقل کر کے کتابی شکل میں چھاپ دیا جائے، لیکن اس کے لیے وقت اور سرمایہ دو چیزوں کی ضرورت تھی اور وہ دونوں مفقود تھیں، اب جبکہ "انوارِ مدینہ" باقاعدہ نکلنا شروع ہوا تو خیال آیا کہ ان دروس کو رسالہ میں قسط وار شائع کر کے عوام تک پہنچایا جائے چنانچہ اللہ کا نام لے کر یہ کام شروع کر دیا گیا، احقر کے دو عزیز امجد اور عابد سلمہما اللہ بڑی محنت سے ان دروس کو کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرتے ہیں اور انتہائی غور و خوض کر کے اُن کی تسوید کے بعد یہ کاتب کے حوالے کر دیے جاتے ہیں، حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے یہ دروس بیش قیمت موتیوں کا خزانہ اور علوم و معارف کا گنجینہ ہیں ہماری کوشش ہے کہ ہم یہ قیمتی موتی اور علوم و معارف بے کم و کاست حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی زبانی عوام تک پہنچا دیں، اگر اس میں کسی قسم کی غلطی نظر آئے تو اُسے ناقلین کے سہو و خطا پر محمول کیا جائے۔

اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جس کا جو جی چاہے مانگے

اس وقت حق تعالیٰ فرمائیں گے سَلُوْنِیْ مَا شِئْتُمْ جس کا جو جی چاہے مانگے۔ اب سب حیران ہوں گے کہ کیا چیز مانگیں؟ عرض کریں گے کہ اے اللہ! کونسی نعمت ایسی ہے جو جنتوں میں آپ نے عطا نہیں فرما دی باقی کیا ہے کہ جس کو ہم مانگیں۔ فرمائیں گے نہیں مانگو۔ جس کی جو مرضی ہو مانگے، تو اب سمجھ میں نہیں آئے گا کہ کیا مانگیں۔ ہر نعمت مل چکی ہر کھانے کی پینے کی۔ محلات، شہر، حکومت، جاہ، عزت، ساری مل گئیں۔ کیا چیز مانگیں اور قربِ خداوندی اس سے بڑھ کر نعمت نہیں اور کیا مانگیں؟ تو جب سمجھ میں نہیں آئے گا تو متوجہ ہوں گے سب لوگ علماء کی طرف کہ اہلِ علم سے مشورہ کریں، وہ اپنے علم کی طاقت

سے کچھ تبلائیں گے کہ کیا چیز رہ گئی ہے کہ مانگیں ؟

مولویوں کی محتاجگی جنّت میں بھی ہوگی

گویا مولویوں کی محتاجگی وہاں بھی رہے گی جا کر۔ لوگ یہاں پیچھا چھڑانا چاہیں اپنا یہ وہاں بھی پیچھا نہیں چھوڑیں گے، وہاں بھی محتاجگی رہے گی۔ یہ محتاجگی علم کی ہوگی، کسی کی ذات کی نہیں ہوگی۔ آج بھی اگر ہم علماء کے محتاج ہیں تو گوشت پوست کے محتاج نہیں ہیں، وہ تو ہمارے اندر بھی موجود ہے۔ ان کے علم کے محتاج ہیں، وہ راہنما ہے، راہ دکھلانے والا ہے کہ علم سے کسی جہان میں بھی آدمی مستغنی نہیں ہو سکتا۔ جتنے بڑے جہاں میں پہنچے گا اتنے ہی بڑے علم کی ضرورت ہوگی۔ وہاں کی راہیں طے کرنے کے لیے، تو سب متوجّہ ہوں گے علماء کی طرف کہ کیا چیز مانگیں ؟ ادھر سے تو حکم ہے کہ مانگو اور ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آتا، کوئی چیز باقی نہیں جو ہمیں نہیں مل گئی۔

جنتی جنّت میں دیدارِ خداوندی مانگیں گے

وہ کہیں گے کہ ایک چیز رہ گئی ہے، وہ مانگو، وہ مانگو اور وہ ہے دیدارِ خداوندی۔ اس کا سوال کرو کہ اپنا جمال مبارک دکھلا دیجئے۔ جس کی طمع میں ہم رات دن عبادت کرتے تھے اور عبادت میں جوش یہ ہوتا تھا کہ دیکھ لیں کسی طرح اللہ کو، تو پہلے ہم دیکھتے تھے عقل کی آنکھ سے، اس کے بعد ہم دیکھتے تھے ایمان اور عقیدہ کی آنکھ سے، اس کے بعد دیکھتے تھے خواب میں، اس کے بعد ہم دیکھتے تھے کشف کے ساتھ۔ اب یہ سارے مراتب طے ہو گئے۔ اب یہ چاہتے ہیں کہ ان آنکھوں سے عیاناً دیکھیں اپنے پروردگار کو، یہ مانگیں گے، جب سمجھ میں آجائے گا سوال۔ ایک زبان ہو کر عرض کریں گے کہ اے اللہ! سب کچھ آپ نے دے دیا، سب کچھ مل گیا، اب جمالِ خداوندی دکھلا دیجئے۔ بس ہم اس کو مانگتے ہیں۔ یہ دعاء درخواست قبول کی جائے گی۔ اور حدیث میں ہے کہ پہلے حق تعالیٰ فرمائیں گے اَنْ کَمَا اَنْتُمْ۔ ہر چیز اپنی جگہ ٹھہری رہے۔ اس لیے کہ اگر یہ نہ فرمائیں تو لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا بَيْنَ يَدَيْهِ اس کے چہرے کی پاکیزگیاں ہر چیز کو جلا کر خاکستر کر دیں ؎

چوں سلطان عزّت علم برکشد
جہاں سر بزیب علم درکشد

جب سلطان عزّت نمایاں ہوگا پھر وجود کس کا رہ سکتا ہے باقی، ایک آفتاب جو اس کی مخلوق ہے اگر ٹکٹکی باندھ کر ایک منٹ دیکھ لو تو غیر آفتاب سب غائب ہو جاتا ہے نگاہ سے، تو جدھر نگاہ کرتا ہے آدمی آفتاب ہی کی ٹکیہ نظر آتی ہے یا سُرخ یا سبز یا زرد۔ غیر آفتاب محو ہو جاتا ہے آنکھوں میں کسک

نہیں رہتی کہ دیکھے۔ اپنے اندر بھی نگاہ ڈالے گا، وہاں بھی آفتاب نظر آئے گا۔ ادھر دیکھے گا وہاں بھی آفتاب، تو ایک مخلوق ہے آفتاب، اس کی نورانیّت کا یہ عالم ہے کہ اگر پل بھر دیکھ لے تو ہر ما سوا غائب ہو جاتا ہے، تو اللہ ربُّ العزّت کا جمال منکشف ہو اور تجلّی کھلے اور پھر غیر کا کہیں وجود رہ جائے؟ ممکن نہیں وجود ہی باقی نہیں رہ سکتا۔ یہاں یہ ہوتا ہے کہ آفتاب کو دیکھنے کے بعد وجود تو ختم نہیں ہوتا اشیاء کا، ہماری نگاہ میں ختم ہو جاتا ہے، ہم نہیں دیکھ سکتے، لیکن وہاں وجود نہیں رہ سکتا۔ اس لیے کہ وجود کا سرچشمہ حق تعالیٰ ہے جب اصل وجود آئے گا تو ضمنی وجود کا پتہ بھی باقی نہیں رہے گا۔ اس لیے پہلے ہی فرمادیں گے، اَنْ کَمَا اَنْتُمْ ہر چیز ٹھہری رہے اپنی جگہ اور اس کے بعد حجابات اُٹھنے شروع ہو جائیں گے۔ بس صرف ایک حجاب رہ جائے گا کبریا و عظمت کا، باقی سب حجابات اُٹھ جائیں گے۔ اس وقت بندے عیاناً اپنے پروردگار کو دیکھیں گے۔

دیدارِ خداوندی کے سامنے ہر نعمت ہیچ ہوگی

اور اتنے گم ہوں گے کہ نہ جنّت یاد رہے گی اور نہ کوئی نعمت یاد رہے گی، بلکہ یوں محسوس ہوگا کہ اب تک ملی ہی نہیں تھی کوئی نعمت۔ سب چیزیں ردّی تھیں جو ہمیں ملی تھیں۔ اب نعمت ہمیں ملی ہے۔ اس دیدار کا اثر یہ ہوگا کہ قلب کے اندر قوت و اطمینان پورے انشراح کے ساتھ رگ و پے میں اور زیادہ پھیل جائے گی۔ چہروں کا نور اور جمال اتنا بڑھ جائے گا کہ سو گنے تک خوبصورت اور حسین بن جائیں گے لوگ اس طرح سے یہ دربار ہفتے میں ایک دن ہوگا اور اس کے بعد فرمائیں گے کہ اہلِ جنّت اب اپنے اپنے محلّات کو جاؤ اور ہفتے بعد پھر دربار منعقد ہوگا، تو انبیاء علیہم السلام ہر وقت گویا حاضر باشانِ دربار رہیں گے، کُمَّلِ اولیاء اللہ ہفتے میں دو تین بار حاضر باش ہوں گے۔ عامّہ مؤمنین کو ہفتے میں ایک دن دیا جائے گا، تو سرکاری مہمان خانہ اتنا قریب ہونا چاہیئے کہ بادشاہ کے پاس آمد و رفت پائی جائے۔ اس لیے جنتوں کو رکھا گیا عرشِ عظیم کے نیچے۔

جنّت میں روشنی عرشِ عظیم کی ہوگی

حتیٰ کہ احادیث میں فرمایا گیا ہے کہ جنتوں میں جو چاند نا ہوگا تو وہاں آفتاب اور ماہتاب نہیں ہوں گے۔ آفتاب بے چارہ کی کیا حقیقت؟ عرشِ عظیم کی روشنی سے جنّت روشن رہے گی اور یکساں روشنی رہے گی وہاں رات نہیں آئے گی یکساں روشنی رہے گی اور اس کی مثال احادیث میں دی گئی ہے کہ صبح صادق کے بعد جو چاند نا ہوتا ہے سورج نکلنے سے پہلے ٹھنڈا چاند نا، تو اس کے اندر خیرہ بھی نہیں ہوتی آنکھوں میں چُبھن نہیں ہوتی، بلکہ فرحت کا اثر پیدا ہوتا ہے، وہ نوعیّت ہوگی جنّت کے چاند نے کی اور بارہ مہینے ایک سا چاند نا رہے گا

وہاں رات اور دن کا ہیر پھیر نہیں، تو جنّت میں روشنی عرش کی ہوگی۔ اس سے گویا قُرب دکھلایا گیا ہے کہ سرکاری مہمان خانہ ہے تو مہمانانِ خداوندی قریب میں رہیں گے، بعید نہیں ان کو رکھا جائیگا۔ بعید تو مجرم رہا کرتے ہیں، تو مجرمین البتہ ساتویں زمین کی تہ میں جہنّم میں رکھے جائیں گے، تو مَیں نے عرض کیا کہ جب دارالسلطنت بنتا ہے تو سب چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ قلعہ بناتے ہیں، قلعہ کے اندر تخت رکھتے ہیں، اس کی حفاظت کے سامان رکھتے ہیں اور سرکاری مہمان خانہ بنتا ہے، تو قلعہ شاہی کے بارے میں تو فرمایا گیا کہ اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا وہ ذات ہے بادشاہ۔ اللہ کی ذاتِ شاہانہ وہ ہے کہ اس نے سَبْعَ سَمٰوٰت سات آسمانوں کے تہہ بہ تہہ قلعے بنائے۔

ساتوں آسمانوں کی مضبوطی

اور فرماتے ہیں مضبوط اتنا کہ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ تم اگر غور سے دیکھو تو اس کے اندر کوئی فرق نہیں، کوئی دراڑ نظر آرہا ہے، کوئی اُونچ نیچ نظر آرہی ہے، کچھ بھی نظر آرہا ہے۔ یکساں ہے ہزاروں برس سے یکساں ہے۔ نہ اس کی کوئی مٹی جھڑتی ہے، نہ پلستر گرتا ہے، نہ کوئی اینٹ گرتی ہے۔ جس حالت میں ہے اسی حالت میں ہے،

ساتوں آسمان مختلف دھاتوں کے ہیں

اس لیے کہ وہ دھاتوں سے بنائے گئے ہیں۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ پہلا آسمان چاندی کا ہے، دوسرا سونے کا ہے، تیسرا زمرد کا ہے، چوتھا یاقوت کا ہے، پھر الماس کا ہے اور ساتواں آسمان خالص ایک موتی کا ہے، لیکن کیسا ہوگا چاندی سونا؟ یہ یہاں کا چاندی سونا نہیں۔ دُنیا میں چاندی سونے میں کچھ نہ کچھ کدورت کچھ نہ کچھ سیاہی ملی ہوئی ہوتی ہے۔ روپیہ گننے بیٹھے تو دس پانچ منٹ میں انگلیاں کالی ہوجاتی ہیں، بُو آنے لگتی ہے انگلیوں میں تو وہاں کا سونا اور چاندی کدورت ملا ہوا نہیں، خالص سونا، تو وہ آسمان زمین سونے اور چاندی اور جواہرات اور موتی خالص کے ہیں اس واسطے ان میں کوئی جوڑ بھی نہیں کہ بھئی اینٹ ہی گر گئی، چونا نکل گیا، یہ نہیں۔ ایک ذات ہے سارا آسمان مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ۔ تم کوئی فرق نہیں دیکھو گے اللہ کی بناوٹ میں۔ اس لیے کہ یہ شاہی قلعہ ہے تمہارا مکان نہیں بنا ہوا۔ اللہ نے اپنا مکان بنایا ہے۔ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ۔ پھر دوبارہ لوٹا کر نگاہ کرو هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ، کوئی فطور نظر آتا ہے تمہیں، ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ، پھر لوٹا نگاہ کو، کَرَّتَیْنِ دو مرتبہ دیکھ ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئًا وَّھو حسیر۔ نگاہ لوٹ کر آئے گی اور نامراد واپس ہوگی، کوئی عیب لے کر نہیں آئے گی۔

مولای صلّ وسلّم دائماً ابداً علیٰ حبیبک خیر الخلق کلّھم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رح کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنہوں نے مولانا سیّد محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجّہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین واحباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سیّد رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

هنوز آں ابرِ رحمت درفشاں است خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کیسٹ نمبر ۴ سائیڈ بی ۱۹۸۲ء

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسّلام علیٰ خیر خلقہ سیّدنا و مولانا محمد وّآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے دُعائیں اور دُعاؤں کے طریقے سب ہی تعلیم فرمائے اور یہ چیزیں ایسی ہیں کہ جو انسان کچھ تو اپنی سمجھ سے نکالتا ہے اور کچھ ایسی ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ ہی کو پسند ہیں اور وہ ہی نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ذریعے تعلیم فرمائی ہیں، اس کے سوا اور کوئی ذریعہ تھا ہی نہیں۔

مثال کے طور پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک شخص کو سُنا کہ وہ دُعا مانگ رہا تھا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ تَمَامَ النِّعْمَۃِ اے اللہ میں تجھ سے مکمّل نعمت مانگتا ہوں، تمامِ نعمت، نعمتِ کاملہ مانگتا ہوں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس سے پُوچھا کہ تمامِ نعمت کیا ہے؟ کہ نعمت بالکل مکمل ہو جائے یہ جو تم نے کلمات کہے تو اُن سے مراد کیا ہے؟ اور تمام نعمت تمہارے خیال میں کیا چیز تھی؟ اُنھوں نے کہا، عرض کیا دَعْوَۃٌ اَرْجُوْ بِھَا خَیْرًا میں نے ایک دُعا مانگی تھی اور اس میں مجھے اُمّید تھی کہ مال مِل جائے گا یا ایک طرح کا نفع حاصل ہو جائے گا۔ بھلائی حاصل ہو جائے گی۔ خیر مال کو بھی کہتے ہیں اور خیر بھلائی کو تو کہتے ہی ہیں خیر اور

شر دو متقابل الفاظ بولے ہی جاتے ہیں، جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُنھیں بتلایا اِنَّ مِنْ تَمَامِ النِّعْمَةِ دُخُوْلَ الْجَنَّةِ نعمت کا مکمّل ہونا تو جب ہوتا ہے یا مکمّل نعمت سے مراد تو یہ ہو سکتی ہے کہ جنّت میں انسان داخل ہو اور جہنّم سے بچ جائے۔ وَالْفَوْزَ مِنَ النَّارِ۔[1] جہنّم سے بچنے میں کامیاب ہو جائے اگر ایسے ہو گیا تو اس کو نعمتِ کاملہ حاصل ہو گئی۔ ورنہ تمام نعمت نعمتِ کاملہ جسے کہا جائے گا وہ نہیں حاصل ہُوئی۔ آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کے کلمات ہی جو اُنھوں نے استعمال کیے تھے سُن کر اُن کے معنی معین فرمائے کہ اصل مطلب جو اُن کا بن سکتا ہے تو وہ یہ بن سکتا ہے۔

جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک دفعہ سُنا ایک شخص کہہ رہا تھا یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ" یہ جملہ اُن کی زبان سے نکلا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا" قَدِ اسْتُجِیْبَ لَکَ فَسَلْ[2] تیری دُعا قبول کر لی گئی تو مانگ یعنی تو دُعا مانگ قبول ہو گئی اَب یہ ذوالجلال والاکرام اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہے اللہ کی تعریف ہے کہ وہ بڑی عظمت والا ہے، مگر کلمات یہ ہیں ذو الجلال والاکرام اور یہ کلمات شریعت نے بتلائے ہیں جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بتلائے ہیں، استعمال صحابی نے کیے اُن کی زبان پر جاری ہُوئے اور پھر آپ نے اس کی تاثیر بتلائی کہ تمہارے ان کلمات کا یہ اثر مرتّب ہُوا ہے۔ تم دُعا مانگو دُعا قبول ہو گی۔ یہی فرق ہے۔ عام انسانوں کے ذہن کا اور اُس ذہن کا جو اللہ کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ یعنی جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ آپ سکھانے کے لیے بھیجے گئے تھے۔ اور قدرتی بات ہے کہ ایسے ایسے قصّے سب ہوتے رہے اور ایک دفعہ ایک قصّہ ہُوا ہے اور ایک بات ارشاد فرمائی ہے اس کو دیکھنے والے جتنے ہیں سب نے وہ محفوظ کر لیا۔ اس طرح سے ہم تک پہنچ گئی ورنہ آپ کسی سے کوئی بات کہتے ہیں دس دفعہ۔ پھر بھی بھول جاتی ہے، یہ نہیں ہُوا بلکہ ایک دفعہ بھی جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کوئی بات فرمائی ہے تو وہ دس آدمیوں نے یاد کر لی بیس[2] نے یاد کر لی جتنے دیکھنے والے ہیں سب نے سمجھ لی اور یاد کر لی۔ اس طرح سے دین ہم تک پہنچا ہے۔ آپ کے سامنے ایک دفعہ یہ قصّہ پیش آیا کہ اُس صحابی کی زبان سے یہ جملہ نکلا "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ

---

[1] مشکوٰۃ، ص ۲۱۴ [2] مشکوٰۃ، ص ۲۱۴

اَسْئَلُكَ الصَّبْرَ" تو آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا صبر تو ہوتا ہے مشکلات پر مصائب پر، تو صبر مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے تو تم نے مصیبت مانگی کہ مصیبت اُترے پھر صبر نصیب ہو مجھے، گویا تم نے مصیبت مانگی اللہ سے کسی پر مصیبت اُتری ہوئی ہو اس کو اپنے لیے یہ دعا کرنی کہ صبر مجھے دے اس مصیبت پر وہ الگ بات ہے یہ صورت نہیں تھی وہاں پر، وہاں تو ویسے ہی اُن کی زبان سے یہ جملہ نکلا تو آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تم نے تو بلا آزمائش، گویا مصیبت مانگ لی اللہ تعالیٰ سے۔ اس کے بجائے تمہیں جب دُعا کرنی ہو" فَاسْئَلُهُ الْعَافِيَةَ "[1] تو اس سے عافیت چاہو۔ خداوند کریم تو ہم کو بس محفوظ رکھ، اور عافیت ایسا جملہ ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے۔ ایمان کے بعد سب سے بڑی نعمت جو خُدا کی ہے ایک انسان کے لیے ایک بندے کے لیے وہ عافیت ہے اور عافیت کا مطلب جسمانی بھی عافیت اور روحانی بھی عافیت اور مالی بھی عافیت، گھر والوں کی بھی عافیت اور دنیا کی اور آخرت کی عافیت طلب کرنے کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بڑا پسند فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ اور ایسے ہی کلمات اور بھی بتلائے ہیں۔" اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ وَاَهْلِيْ وَمَالِيْ"۔[2] دین میں دنیا میں اہل میں مال میں رشتے داروں میں گھر والوں میں اور مال کے بارے میں سب کے بارے میں عافیت، تو سرورِ کائنات علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ عافیت سب سے بڑی نعمت ہے خداوند کریم کی ایک بندے کے لیے ایمان کے بعد، سب سے بڑی نعمت تو ایمان ہی ہے جس سے انسان اور اللہ کے درمیان تعلّق دُرست ہوتا ہے اور اس کے بعد دوسرے درجے میں جو نعمت ہے وہ عافیت ہے۔ اس سے بہتر اور کوئی چیز نہیں ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان حق ہے جو آپ نے فرمایا دُرست ہے اور تمام چیزوں میں شفقت ہے اور ہر چیز میں آپ نے وہ بتلایا جو بہتر سے بہتر ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت میں آپ کا ساتھ نصیب فرمائے۔

---

[1] مشکوٰۃ ص ۲۱۴ [2] مشکوٰۃ ص ۲۱

شاعرِ اسلام جناب سیّد امین گیلانی

مجھے منظور نہیں

لب پہ غیروں کی ثنا ہو مجھے منظور نہیں
کوئی بُت میرا خُدا ہو، مجھے منظور نہیں

ترا ہی غم ہے کہ جس سے مرا دل بہلا ہے
ترا غم دل سے جُدا ہو، مجھے منظور نہیں

جس کے ماتھے پہ چمکتا نہ ہو ایمان کا چاند
وہ مرا راہ نما ہو، مجھے منظور نہیں

پادشہ مجھ کو جو سُولی پہ چڑھا دے منظور
کوئی دُرویش خفا ہو، مجھے منظور نہیں

مرا دُشمن بھی نہ مایُوس ہو تجھ سے یارَبّ
رَد کوئی اُس کی دُعا ہو، مجھے منظور نہیں

مرا دُشمن ہے تو ہو، مَیں نہیں اس کا دُشمن
مرے دُشمن کا بُرا ہو، مجھے منظور نہیں

ایک ہے سب کا خُدا، سب ہیں خُدا کے بندے
کوئی شہہ کوئی گدا ہو، مجھے منظور نہیں

پھُول انساں ہے تو ہے ذکرِ خُدا رنگ اُس کا
پھُول سے رنگ جُدا ہو، مجھے منظور نہیں

ترے باعث تو وہ آتے ہیں عیادت کے لیے
تجھ کو اے دردِ شفا ہو، مجھے منظور نہیں

یہ تو منظور، ترے تیر ہوں سینہ میرا
کوئی بھی تیر خطا ہو، مجھے منظور نہیں

اُس نے بخشی ہے امیںؔ مجھ کو حیاتِ جاوید
مرے قاتل کو سزا ہو، مجھے منظور نہیں

○

حافظ حقانی میاں قادری
فاضل وفاق المدارس العربیہ پاکستان

فضائل و مناقب

افضل البشر بعد الانبیاء سیّدنا ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ

رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد آپ کے قدیم ترین رفیق، چراغ نبوّت کے سب سے پہلے پروانے اسلام کے سب سے پُرانے جاں نثار محرم اسرارِ نبوّت، ثانی اثنین فی الغار، افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق خلیفۂ اوّل سیّدنا صدّیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے جانشین منتخب ہوئے، درحقیقت خلافت ونیابت کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق آپ ہی تھے۔ آپ ہی جماعتِ صحابہ میں سب سے زیادہ اسرارِ شریعت کے محرم اور رُوح اسلامی کے دانائے راز تھے، قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ و جملہ علوم اسلامی میں آپ کا مقام نہایت بلند تھا۔ آپ کے فضائل و مناقب بکثرت ہیں آپ عظمت و شرافت صدق و دیانت کے وہ عظیم اور روشن مینار ہیں کہ جن کی عظمت و صداقت کی گواہی خود خالقِ کائنات اور پیغمبر آخر الزماں حضرت محمّد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے متعدّد مواقع پر بیان فرمائی ہے۔

زیرِ نظر مضمون میں آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبوی، اقوالِ صحابہ کرام و اہلِ بیت اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ممتاز غیر مسلم مفکّرین کی آراء کی روشنی میں آپ کے فضائل و مناقب پر ایک طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ اور مختصراً صرف فضائل و مناقب پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

آیات قرآنی

"اگر تم مدد نہ کروگے رسول کی تو اُس کی مدد کی ہے اللہ نے جس وقت نکالا تھا اس کو کافروں نے جبکہ وہ دوسرا تھا دو میں کا، جب وہ دونوں غار میں تھے۔ جب وہ کہہ رہا تھا اپنے رفیق سے تو غم نہ کھا۔ بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ نے اُتاری اس پر اپنی طرف سے تسکین۔ (سورۃ توبہ آیت ۴۰)

علّامہ جلال الدّین سیوطی نے مذکورہ آیت کے متعلّق اُمّت کا اجماع نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ (تاریخ الخلفاء)

آیت کے ترجمہ میں رفیق سے مراد سیّدنا ابوبکر صدیق ہیں۔ قرآن کریم نے اپنے معجزانہ و بلیغانہ انداز میں صدیقِ اکبر کے اس شرفِ رفاقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ کی فضیلت پر مُہرِ تصدیق ثبت کردی۔

قسم ہے رات کی جب چھا جائے اور دن کی جب روشن ہو اور اس کی جو اُس نے پیدا کیے نر اور مادہ۔ تمہاری کمائی طرح طرح پر ہے سو جس نے دیا اور ڈرتا رہا اور سچ جانا بھلی بات کو تو اس کو ہم آہستہ آہستہ آسانی میں پہنچا دیں گے۔ (سورۃ اللیل آیت: ۱تا۷)

تمام مفسّرین اور محدثین نے بالاتفاق نقل کیا ہے کہ صدیقِ اکبر نے جب ان ضعیف مسلمانوں کو جو کہ اِسلام قبول کرنے کی پاداش میں اپنے آقاؤں کے پنجۂ عقوبت میں گرفتار تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے زرِ کثیر خرچ کرکے اُنہیں آزاد کیا تو ایک موقع پر اُن کے والد حضرت ابوقحافہ نے کہا کہ اے جانِ پدر میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور اور حقیر غلاموں کو آزاد کراتے ہو اگر تم قوی اور کارآمد غلاموں کو آزاد کراتے تو وہ تمہارے کام آتے اور پشت پناہ بنتے حضرت ابوبکر نے اپنے والد کی بات سُن کر جواب دیا کہ ابّا جان! میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا طلب گار ہوں اس پر مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں۔

(تفسیر در منثور و تاریخ الخلفاء سیوطی)

اس سورت میں آگے مزید ارشاد ہوا۔

اور بچا دیں گے اس جہنّم سے بڑے ڈرنے والے کو جو دیتا ہے اپنا مال دل پاک کرنے کو اور نہیں کسی کا اس پر احسان جس کا بدلہ دے مگر واسطے چاہے مرضی اپنے رب کی جو سب سے بَرتر ہے اور آگے وہ راضی ہوگا۔ (آیت: ۱۷ تا ۲۱)

آیات مذکورہ بالا کا آخری کلمہ حضرت صدیق اکبرؓ کے لیے ایک عظیم خوشخبری اور اعزاز ہے کہ اُنہیں دُنیا ہی میں اللہ کی طرف سے راضی کر دیے جانے کی خوشخبری سُنا دی گئی۔

○ اور جو لے کر آیا سچّی بات اور سچّے مانا جس نے اس کو وہی لوگ ہیں ڈر والے۔

آیت مذکورہ کی تفسیر کے متعلق حضرت علی ابن ابی طالب کا ارشاد منقول ہے کہ آیت میں سچّی بات لے کر آنے والے حضرت محمّد مصطفےٰ اور سچّے ماننے والے سے مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں

○ اور جو کوئی ڈرا کھڑے ہونے سے اپنے رب کے آگے اس کے لیے ہیں دو باغ۔

(سورۂ رحمٰن آیت : ۴۶)

آیت مذکورہ کے سبب نزول کے متعلق علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تاریخ الخلفا میں ابن ابی حاتم بروایت ابن شوذب نقل کیا ہے کہ یہ آیت سیّدنا صدیق اکبر کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

○ اور اگر تم دونوں چڑھائی کرو اُن پر (رسول پر) تو اللہ اُن کا کارساز ہے اور جبریل اور صالح اہلِ ایمان اور اس کے بعد فرشتے مددگار ہیں۔

① آیت مذکورہ کے متعلق طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ آیت بالا حضرت ابوبکر اور عمر کی شان میں نازل ہوئی اور صالح اہلِ ایمان سے مراد حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

② حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ مفسرین کے سوادِ اعظم کا قول یہ ہے کہ آیت بالا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی شان میں نازل ہوئی۔

○ جلال الدین سیوطیؒ حضرت مجاہد کا قول آیت (بیشک اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر) کی تفسیر کے متعلق نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ پر کوئی آیت نازل نہیں فرماتے مگر اس میں ہمیں شریک کرتے ہیں تب اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وہی ہے جو رحمت بھیجتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے۔ (سورۂ احزاب ۴۳)

○ ابن عساکر نے حضرت سفیان بن عیینہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اُنھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام پر ناگواری کا اظہار فرمایا سوائے ابوبکرؓ کے کہ وہ اس سے محفوظ رہے تب آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

"اگر تم مدد نہ کروگے رسول کی تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے جس وقت اس کو نکالا تھا۔ کافروں نے جبکہ وہ دوسرا تھا دو میں کا جب وہ دونوں تھے غار میں" (سورہ توبہ آیت ۴۰)

مولانا حبیب الرحمٰن خان شیرانی اپنی کتاب "سیرت الصدیق" میں لکھتے ہیں کہ جس قدر آیات میں صحابۂ کرامؓ، سابقون اولون (سابقون اولون سے مراد وہ صحابۂ کرام ہیں جو غزوۂ بدر ۲ھ تک دائرۂ اسلام

میں داخل ہوئے) اور مجاہدین ومہاجرین وغیرہ کے اوصاف وفضائل ہیں۔ اُن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بطریق اولی شریک ہیں۔

احادیث نبویؐ

احادیث نبویؐ میں حضرت ابوبکرؓ کے فضائل ومناقب بکثرت ہیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن شروانی نے اس قسم کی احادیث کی ایک فہرست دی ہے۔ خاص حضرت ابوبکرؓ کے فضائل میں (۱۸۱) احادیث مروی ہیں (۸۸) حدیثیں ایسی ہیں جن میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی فضیلت کا بیان ہے۔ (۱۷) حدیثیں ایسی ہیں جن میں مجموعی طور پر خلفائے ثلاثہ کے فضائل ہیں۔ (۱۴) حدیثوں میں خلفائے اربعہ کے ساتھ دیگر صحابۂ کرامؓ بھی شریک فضائل ہیں، اس طرح ۳۱۶ احادیث حضرت ابوبکرؓ کے فضائل میں روایت کی گئی ہیں۔ اس موقعہ سے چند احادیث کا صرف ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔

○ حضرت سلیمان بن نہیارؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:
خیر کی تین سو ساٹھ علامات ہیں جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس میں ان علامات میں سے کوئی علامت پیدا فرمادیتے ہیں جس کے ذریعہ وہ جنّت میں داخل ہوجاتا ہے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا مجھ میں ان علامات میں سے کوئی علامت موجود ہے؟ آپؐ نے فرمایا تمہارے اندر یہ تمام علامات جمع ہوگئی ہیں۔ (ابن ابی الدنیا مکارم الاخلاق بحوالہ تاریخ الخلفاء)

○ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:
ابوبکرؓ سے محبّت اور اُن کا شکر ادا کرنا میری پُوری اُمّت پر لازم ہے۔ (ابن عساکر)

○ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:
قیامت کے روز تمام لوگوں کا حساب کیا جائے گا۔ سوائے ابوبکرؓ کے۔ (تاریخ الخلفاء)

○ حضرت سعد بن زرارہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:
بیشک مجھے روح القدس جبریل امین نے خبر دی ہے کہ آپؐ کی اُمّت کے سب سے مہربان انسان آپؐ کے بعد ابوبکرؓ ہیں (معجم اوسط طبرانی)

○ حضرت انس رضؓ سے مرفوع روایت ہے حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:
ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ کی محبّت ایمان اور ان دونوں سے بغض کُفر ہے! (ابن عساکر)

○ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضؓ سے روایت ہے مَیں نے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سُنا ہے کہ میرے پاس جبریل آئے اور اُنھوں نے کہا:
بیشک اللہ آپ کو حُکم دیتا ہے اس بات کا کہ آپ ابوبکر رضؓ سے مشورہ طلب کریں۔
(ابن عساکر)

○ حضرت عائشہ رضؓ صدیقہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:
کسی جماعت کے لیے جس میں ابوبکر رضؓ موجود ہوں یہ جائز نہیں کہ اس کی امامت ابوبکر رضؓ کے علاوہ کوئی اور کرائے۔ (ترمذی)

○ محمد بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن الحصین التیمی سے روایت ہے حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:
مَیں نے کسی کو اسلام کی دعوت نہیں دی، مگر اس میں ایک گونہ کراہت، تردد اور فکر پائی، لیکن ابوبکر رضؓ سے جب مَیں نے اسلام کا ذکر کیا تو اُنھوں نے بلا توقف و تردد سے اسے قبول کرلیا۔

○ حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے:
قیامت کے روز سب سے اوّل میرے اُوپر سے زمین کشادہ ہوگی پھر ابوبکر رضؓ کے پھر عمر رضؓ کے۔ (ترمذی، المستدرک للحاکم)

○ حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت ابوبکر رضؓ سے ارشاد فرمایا: تم میرے رفیق حوض کوثر پر ہو اور میرے رفیقِ غار میں (ترمذی)

○ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صؐ نے ارشاد فرمایا:
کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس کے دو وزیر اہلِ آسمان میں سے اور دو اہلِ زمین میں سے نہ ہوں۔ میرے دو وزیر آسمان والوں میں جبرائیل اور میکائیل ہیں اور اہلِ زمین میں سے ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ۔ (ترمذی)

○ حضرت انس بن مالک رضؓ سے روایت ہے حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: میری اُمّت میں اُمّت پر سب سے زیادہ مہربان ابوبکر رضؓ ہیں۔ (ترمذی، مسند احمد)

○ حضرت عمرو بن عاص رضؓ سے مروی ہے کہ مَیں نے حضور نبی اکرمؐ سے سوال کیا کہ آپؐ کے نزدیک سب خواتین میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا، عائشہ رضؓ، مَیں نے کہا مردوں میں؟ فرمایا: ابوبکر رضؓ، پھر عرض گزار ہُوا کہ اُن کے بعد فرمایا عمر بن الخطاب رضؓ (بخاری و مسلم)

○ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ مَیں نے نہ دے دیا ہو مگر ابوبکر رضؓ، اُن کا جو احسان میرے ذمّہ ہے اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دے گا۔ اور کبھی کسی کے مال نے مجھے وہ نفع نہیں دیا جو ابوبکر رضؓ کے مال نے دیا۔ (ترمذی)

اقوالِ صحابۂ کرام رضؓ و اہلِ بیت اطہار رضؓ

○ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد سب سے بہترین انسان ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ ہیں۔ مجھ سے محبّت اور ابوبکر رضؓ سے بغض دونوں کسی مومن کے دل میں یکجا جمع نہیں ہو سکتے۔ (معجم اوسط طبرانی)

○ ربیع بن انس رضؓ کا قول ہے کہ ہم نے گزشتہ انبیاء کے صحابہ کے حالات معلوم کیے تو ہم نے کوئی بھی ایسا نبی نہیں پایا جسے ابوبکر رضؓ جیسا بہترین ساتھی ملا ہو۔ (تاریخ الخلفاء)

○ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کا قول ہے جسے تمام مُسلمان بہترین جانیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی بہتر ہے اور جسے تمام بُرا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُرا ہے اور تحقیق تمام صحابہ کرام رضؓ نے اسے بہتر جانا کہ وہ حضرت ابوبکر رضؓ کو خلیفہ بنائیں (مستدرک للحاکم)

○ حضرت عمر رضؓ کا قول ہے کہ اگر ابوبکر رضؓ کا ایمان ساری زمین کے اہلِ ایمان سے تولا جائے تو حضرت ابوبکر رضؓ کے ایمان کا پلّہ بھاری رہے گا۔ (بیہقی شعب الایمان)

○ حضرت علی رضؓ نے فرمایا ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، ہم کسی نیکی کی طرف نہیں جھپٹے، مگر یہ کہ ابوبکر رضؓ اس میں ہم سے سبقت لے گئے۔ (معجم اوسط طبرانی)

○ حضرت علی رضؓ بن ابی طالب نے فرمایا ہے کہ اس اُمّت میں اللہ کے نبی کے بعد ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ سب سے بہتر ہیں۔ (مسند احمد)

○ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب حضرت ابو بکرؓ کے انتقال کی خبر سنی تو اناّ للہ وَ اِناّ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھ کر اُن کے مکان پر یہ فرماتے ہوئے تشریف لائے کہ آج خلافت نبوّت کا خاتمہ ہوگیا۔

○ حضرت عبداللہ بن جعفر طیّار کا قول ہے کہ ابو بکرؓ ہم پر والی ہوئے تو اس شان سے کہ خلق خدا میں سب سے بہتر تھے۔ اور ہم پر سب سے زیادہ مہربان اور سب سے زیادہ ہم سے خوش۔ (مستدرک حاکم)

○ ایک شخص نے حضرت زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہوکر استفسار کیا کہ رسول اللہ کی نظر میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عُمرؓ کا کیا درجہ تھا آپ نے جواباً فرمایا: وہی مرتبہ تھا جو اس وقت بھی ہے۔ (یعنی روضہ رسولؐ میں سب سے زیادہ قُرب حاصل ہے۔ (مسند احمد)

غیر مُسلم مفکّرین کی آراء

ایچ جی ویلز لکھتا ہے:

حقیقت یہ ہے کہ محمدؐ کو جو لوگ زیادہ قریب سے جانتے تھے اُنہی کا آپؐ پر اعتقاد اور ایمان سب سے زیادہ تھا۔ خدیجہؓ کو لیجیے ابوبکرؓ کو لیجیے، محمدؐ پر اُن کے ایمان اور اعتقاد میں کبھی کمی واقع نہیں ہوئی۔ ابوبکرؓ اپنے پیغمبر پر جیسا پختہ ایمان رکھتے تھے وہ اظہر من الشمس ہے۔ اور اس دَور کی تاریخ معلوم کرنے کے لیے یہ ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ ابوبکرؓ کی صداقت اور شہادت پر ایمان لائے۔ (کوالٹیز آف ہسٹری مطبوعہ ۱۹۲۰)

○ ممتاز مغربی دانشور اور سیرت نگار دی مینجر کا مصنّف آر۔ وی۔ سی۔ باڑلے نبی اکرمؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی متفقہ بیعت اور خلافت کے متعلّق لکھتا ہے:

آپ کا مقصد حضرت محمدؐ کی وفات سے ہرگز کوئی فائدہ اُٹھانا نہ تھا... متفقہ اُٹھتی ہوئی موج کی طرح لوگ حضرت ابوبکرؓ کی طرف بڑھے۔ پھر ہر ایک نے باری باری اپنے دونوں ہاتھ اسلام کے پہلے خلیفہ کے ہاتھ میں دے دیے اور بیعت کی، اس سے فارغ ہوکر حضرت اس منبر پر چڑھے جہاں سے حضرت محمدؐ کے سوا کبھی کسی نے تقریر نہ کی تھی۔ یہ لمحہ تاریخ اسلام کا اہم ترین اور اثر آفرین لمحہ نہ تھا بلکہ تاریخ میں بڑی اہمیّت کا حامل تھا اگر اس وقت ابوبکر لوگوں کو مؤثّر طور پر مطمئن نہ کر سکتے تو یہ مذہب جو ایک خاص نظریہ اور نصب العین پہ قائم کیا گیا تھا ویسا ہی محدود ہوکر رہ جاتا جیسا کہ ابتداء میں تھا، یعنی صرف ایک نظریہ، حضرت ابوبکرؓ میں اپنے دوست اور آقا

حضرت محمدؐ کی سی شان اور دلربائی تو نہ تھی وہ خود بوڑھے تھے اور قریب الوفات تھے، البتہ یہ بزرگی اور عظمت حاصل کرنے کے لیے ان میں دو خوبیاں تھیں، ایک اُن کا اسلام پر غیر متزلزل یقین اور دوسری خوبی اُن کا شکوک و شبہات سے بالاتر خلوص تھا۔

○ مشہور ہندو سیرت نگار سوامی لکشمن پرشاد لکھتا ہے:

حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک دولت مند، صائب الرائے اور عقیل و فہیم شخص تھے۔ زود بازی کو آپ کی طبیعت میں بالکل دخل نہیں تھا جو کام اختیار کرتے پہلے ہی اس کی جزئیات و تفصیلات پر پورا غور و خوض کر چکے ہوتے تھے۔ آپ کے اخلاق نہایت پسندیدہ اور قابلِ تعریف تھے۔ آپ کی تقریر بھی بڑی دلپذیر اور دل کش ہوتی تھی۔ انہی اوصاف کی وجہ سے مکّہ میں آپ اس قدر بارسوخ اور ہر دلعزیز تھے کہ بڑے بڑے اہم معاملوں میں اہالیانِ شہر آپ کی رائے پر پورا پورا اعتماد کرتے تھے۔ ایسے مقتدر، واقف کار اور عامل شخص کا ایمان لانا بھی پیغامبرِ اسلام کی صداقت کی ایک واضح دلیل ہے۔ (عرب کا چاند ص ۱۱۵)

صفحہ ۲۵۶ پر مزید لکھتے ہیں: حضرت ابوبکر بہت خوش تدبیر اور صائب الرائے واقع ہوئے تھے، اُن کے بیش قیمت مشوروں کو حضور انورؐ ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔

○ جان بیگٹ لکھتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ میں تسلیم و رضا کی خو بہت زیادہ تھی، ہر حکم کے آگے وہ اپنا سر خم کر دیتے تھے۔

(دی لائف اینڈ ٹائمز آف محمدؐ)

(قسط : ۲ آخری)

فراستِ مومن

شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ

جب نصر بن حجاج کی جلاوطنی کی نوبت پہنچی تو وہ عورت جو کہ مذکورہ بالا اشعار کو گنگنا رہی تھی سخت مضطرب ہوئی کہ جب نصر بن حجاج کو یہ سزا دی گئی، حالانکہ بظاہر اس کی خطا نہ تھی تو خدا جانے امیر المومنین نے میرے لیے کیا سزا تجویز فرمائی ہوگی۔ سزا کا خوف۔ بدنامی کی غیرت۔ دُنیا میں رسوائی کے خیال نے تمام بدن میں رعشہ ڈال دیا۔ امیر المومنین کی خدمت میں سفارش بے سود ہوتی تھی جو شخص ان کے نزدیک شرعی مجرم قرار پاجاتا تھا اس کے لیے یہ تو ممکن تھا کہ وہ اپنی برأت کے دلائل پیش کرے شرعی حدود کی معافی کسی طرح ممکن نہ تھی اس لیے وہ سمجھ گئی کہ اگر امیر المومنین نے مجھ کو قابلِ سزا قرار دے لیا ہے تو بچنا ناممکن ہے اس لیے سفارش بے کار ہے اس خوف و دہشت میں بجز اس کے اور کوئی صورت سمجھ میں نہ آئی کہ ایک پرچہ پر یہ چند شعر لکھے اور امیر المؤمنین کی خدمت میں پہنچوا دیے۔

قُلْ لِلْاِمَامِ الَّذِیْ تُخْشٰی بَوَادِرُہٗ مَالِیْ وَلِلْخَمْرِ اَوْ نَصْرِبْنِ حَجَّاجٖ

اِنِّیْ عَنَیْتُ اَبَا حَفْصٍ بِغَیْرِ ھِمَا شُرْبُ الحلیبِ وَطَرْفٍ فَاتِرٍ سَاجٖ

اِنَّ الْھَوٰی زَمَّہُ التَّقْوٰی فَحَبَسَہٗ حَتّٰی اَقَرَّ بِالْجَامٍ وَ اَسْرَاجٖ

وما اُمْنِیَّۃٌ لم ارب فیھا بضائرۃ والنَّاسُ مِنْ صَادِقٍ فِیْھَا وَمِنْ دَاجٖ

لَا تَجْعَلِ الظَّنَّ حَقًّا اَوْ تَیَقَّنَہٗ اِنَّ السَّبِیْلَ سَبِیْلُ الْخَائِفِ الرَّاجِیْ

ترجمہ: اے مخاطب امیر المومنین کہ جن کے احکام عالم کے لیے باعث خوف ہیں میرا یہ پیام پہنچادے کہ مجھ کو شراب اور نصر بن حجاج سے کیا تعلق ہے۔ اے ابو حفص (فاروق اعظم کی کنیت ہے) میں نے شراب اور نصر بن حجاج کہہ کر دو اور چیزیں مراد لی تھیں یعنی

دودھ پینا اور معشوق کی ضعیف اور ساکن نظر مراد لی تھی خواہش انسانی کو خدائے قہار کے خوف نے لگام دے رکھی ہے اور اُس کو روک لیا ہے، وہ آرزو کہ جس میں متہم نہ کی جا سکے (یعنی جس وسوسہ کا میں نے اعضاء سے ارتکاب نہیں کیا) میرے تقوٰی کو نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے ایسے وقت میں بعض آدمی اس کی تصدیق کرتے ہوں اور بعض تکذیب آپ کسی گمان کو یقین نہ بنالیں یہاں تک کہ آپ واقعات سے اس کا یقین کرلیں اس لیے کہ سیدھا راستہ اُمّیدوار اور خائف ہی کا ہے۔

حضرت عمرؓ پر ان اشعار کا ایک خاص اثر ہُوا دیر تک ساکت رہے آخر ضبط نہ ہوسکا اور بے اختیار ہوکر روئے اور فرمایا کہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ حَبَسَ بِالتَّقْوٰی الْھَوٰی — خُدا کا شکر ہے کہ جس نے تقوٰی کے ذریعہ سے خواہش نفس کو مغلوب کر رکھا ہے۔

نصر بن حجاج کی جلاوطنی کو ایک زمانہ گزر گیا۔ اِدھر نازوں میں پرورش یافتہ بچّہ ماں کی جدائی میں بے چین اُدھر لختِ جگر کی مفارقت میں ماں کا کلیجہ پاش پاش۔ آخر کو ضبط نہ ہوسکا۔ وقت اور موقع کی منتظر تھیں ایک دن مسجد نبوی میں ایسے وقت تشریف لے آئیں کہ اذان ہوچکی تھی اور تکبیر نہ ہُوئی تھی جس وقت امیر المومنین نماز پڑھانے کے لیے اپنی جگہ سے اُٹھے سامنے آکھڑی ہُوئیں اور جرأت کے ساتھ عرض کیا کہ امیر المومنین میرا اور آپ کا فیصلہ قیامت کے دن احکم الحاکمین کے دربار میں ہوگا اور وہاں میں آپ سے اپنے حق کا مطالبہ کروں گی۔ عبداللہ اور عاصم (فاروق اعظم کی اولاد) تو آپ کے پاس رہ کر آپ کا کلیجہ ٹھنڈا کریں اور مجھ میں اور میرے بیٹے میں بڑے بڑے ریگستان اور میدان حائل کر دیے گئے اللہ اکبر! یہ تھا عدل و انصاف۔ یہ تھی رعایا کے ساتھ حقیقی مساوات کہ ایک بُوڑھیاں ایک خود مختار سلطان کے سامنے اس جُرأت سے بات کر رہی ہے اور امیر المومنین کے چہرہ پر شکن بھی تو نہیں پڑتی۔ سزا دینا۔ غضب ناک ہونا۔ ڈانٹ دینا یہ ساری باتیں تو بعد کی تھیں۔ نہایت نرمی کے ساتھ فرمایا کہ اے نصر کی والدہ! عبداللہ اور عاصم دونوں میرے پاس اس لیے ہیں کہ جوان عورتیں پردوں میں رہنے کے باوجود اُن کے حسن کی وجہ سے فتنہ میں نہ پڑتی تھیں اور نصر کی وجہ سے خوف تھا کہ عورتوں میں فتنہ پھیلے۔

امیر المومنین کے اس جواب سے وہ مایوس ہو کر واپس تشریف لے گئیں کچھ دنوں کے بعد کسی خاص ضرورت کی وجہ سے امیر المومنین نے کسی نامہ بر کو والیٔ بصرہ کے پاس بھیجا جب وہ وہاں سے واپس ہونے لگے تو بصرہ میں شہرت ہوئی کہ فلاں تاریخ نامہ بر مدینہ واپس جاوے گا۔ اہلِ بصرہ میں سے جن جن کو اہلِ مدینہ کے پاس خط روانہ کرنے تھے۔ خطوط کی روانگی کا انتظام کرنے لگے۔

نصر بن حجاج بھی بصرہ میں اقامت پذیر تھے۔ اُنھوں نے بھی ایک درخواست امیر المومنین کے خط میں تحریر کی جس میں سلام مسنون کے بعد تحریر تھا کہ اے امیر المومنین!

لَعَمْرِیْ لَئِنْ سَیَّرْتَنِیْ وَحَرَّمْتَنِیْ فَمَا نِلْتَ مِنْ عِرْضِیْ عَلَیْكَ حَرَامٌ
وَمَالِیْ ذَنْبٌ غَیْرَ ظَنٍّ ظَنَنْتَهٗ اَلَا بَعْضَ تَصْدِیْقِ مَظْنُوْنِ آثَامٌ
لَاِنْ غَنَتِ الدَّلْفَاءُ یَوْمًا لِمُنْیَةٍ وَبَعْضُ اَمَانِی النِّسَآءِ غَرَامٌ
ظَنَنْتَ بِیَ الْاَمْرَ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَهٗ بَقَاءٌ فَمَالِیْ فِی النَّدٰی كَلَامٌ
فَاَصْبَحْتُ مَنْفِیًّا عَلٰی غَیْرِ رِیْبَةٍ وَقَدْ كَانَ لِیْ بِالْمَكَّتَیْنِ مَقَامٌ
وَیَمْنَعُنِیْ مِمَّا تَقُوْلُ تَكَبُّرِیْ وَاٰبَآءُ صِدْقٍ سَابِقُوْنَ كِرَامٌ
وَیَمْنَعُهَا مِمَّا تَقُوْلُ صَلٰوتُهَا وَحَالٌ لَهَا فِیْ قَوْمِهَا وَصِیَامٌ
فَهَاتَانِ حَالَانَا فَاَنْتَ رَاجِعٌ فَقَدْ جُبَّ مِنَّا غَارِبٌ وَّسَنَامٌ

(ترجمہ) میں اپنی جانِ عزیز کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگرچہ آپ نے میری جلا وطنی کا حکم دے دیا اور مجھ کو زندگی کے عیش سے محروم کر دیا تاہم جو کچھ آبرو ریزی آپ نے کی ہے وہ فی الحقیقت حرام ہے۔ اور میرے ذمہ کوئی گناہ نہیں ہے۔ بجز اس بدگمانی کے جو آپ کو میری طرف سے پیدا ہو گئی ہے۔ واضح رہے کہ بعض گمانوں کو سچا سمجھنا گناہ ہے، البتہ اگر کسی عورت نے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے میرے بارے میں کچھ اشعار گائے (اور عورتوں کی بعض آرزوئیں شیفتگی ہوتی ہی ہیں) تو آپ نے میری نسبت وہ خیال پختہ کر لیا جس کے بعد بقا ناممکن ہے اور نہ بوجہ ذات کے مجالس میں کلام کیا جا سکتا ہے اب میں جلا وطن کر دیا گیا ہوں بغیر کسی جرم کے حالانکہ میری جائے اقامت مدینہ اور مکہ تھی اور جو کچھ وہ کہہ رہی تھی اس کے پورا ہونے سے میرا تقوٰی اور احتیاط

محاسن جمیلہ والے آباؤ اجداد (کہ گزر چکے ہیں اور کریم ہیں) مانع ہے ۔ اور جو کچھ وہ کہہ رہی تھی اس سے اس کی نماز اور اس کے وہ حالات جو تمام قوم میں اس کی نسبت مسلّم تھے اور اس کے روزہ خود اس عورت کو بھی کسی فعل بد کے ارتکاب سے مانع قوی تھے۔ ہم دونوں کی یہ حالتیں ہیں جو ہم نے امیر المومنین کی خدمت گزارش کر دیں تو اب کیا آپ میری واپسی کا حکم صادر فرما دیں گے۔ اس واسطے کہ اب تو ہمارا کوہان وغیرہ سب کاٹ لیا گیا۔

جب یہ درخواست فاروق اعظم رضؓ کی خدمت میں پیش ہوئی تو فرمایا کہ جب تک میرے قبضہ میں خلافت ہے اس وقت تک تو نصر بن حجاج کو مدینہ میں نہ آنے دوں گا! ہاں یہ ممکن ہے کہ میں اس کو بصرہ میں کوئی مکان آسائش سے بسر کرنے کے لیے دلوا دوں اور کچھ جاگیر اُن کی مقرر کر دوں۔ یہ تھی فراست صرف ذرا سی بات پر کہ کوئی عورت کسی مرد کا نام لے کر عاشقانہ مضامین کے گیت گا رہی ہے۔ حضرت عمر رضؓ نے مرد کو جلا وطن کر دیا اور باوجود ممکن سے ممکن کوشش کے اس کو واپس نہ بُلایا۔

یہی وہ فراست تھی جو ملک الاملاک احکم الحاکمین کے دربار سے اپنے بندوں کو عطا ہوتی ہے اس واقعہ کے انجام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاروق رضؓ اس نتیجہ پر اس وقت پہنچے ہوئے تھے جس کا ظہور اب سے مدّت کے بعد ہونے والا تھا۔ اسی واسطے ابو بکر خرائطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور بالکل سچ فرمایا۔

رَحِمَ اللّٰہُ عُمَرَ مَا کَانَ اَنْظَرَہٗ بِنُوْرِ اللّٰہِ فِیْ ذَاتِ اللّٰہِ وَاَفْرَسَہٗ کَانَ وَاللّٰہِ کَمَا قَالَ الشاعر ؎

بَصِیْرٌ بِاَعْقَابِ الْاُمُوْرِ بِرَأْیِہٖ کَاَنَّ لَہٗ فِی الْیَوْمِ عَیْنًا عَلٰی غَدٍ

فاروق اعظم پر خدا کی رحمت ہو! وہ خدا کے عطا کردہ نور سے ذاتِ خدا کو کیسی عجیب شان سے دیکھ لیتے تھے اور وہ کس قدر فراست والے تھے خدا کی قسم وہ ایسے تھے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے ؎

وہ امور کے انجاموں کو اپنی رائے سے معلوم کر کے دیکھ لیتے تھے گویا کہ کل کے معاملہ کو

وہ آج آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

اس واقعہ کا انجام اس طرح پر ہوا کہ جب نصر بن حجاج کو فاروق اعظم رضؓ کے حکم سے بصرہ میں اقامت کرنی پڑی تو کچھ دنوں کے بعد اُن کا دوستانہ مجاشع بن مسعود سلمی سے ہوگیا تھا اور یہ ربط دن بدن بڑھتا گیا۔ مجاشع مذکور کی بی بی نہایت خوبصورت حسینہ جمیلہ تھی اور اُس کا نام خضراء تھا۔ مجاشع کو بھی اپنی بی بی سے اس قدر الفت تھی کہ بی بی کے بغیر مشکل سے چین آتا تھا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ نے مجاشع کو اپنا قائم مقام بنا دیا تھا۔ دن کا اکثر حصّہ تو معاملاتِ حکومت کے انفصال میں گزرتا تھا۔ کبھی کبھی رات کو بھی ملکی ضرورتوں کے باعث گھر سے باہر بھی گزر جایا کرتا تھا اس لیے اس کے قائم مقام ہونے سے پہلے جس قدر گھر میں رہ سکتے تھے اس کا نصف بھی نصیب نہ ہوتا تھا اس لیے معاملات سے فارغ ہونے کے بعد اکثر وقت گھر ہی میں گزرتا تھا، لیکن اس میں دشواری پیش آگئی تھی کہ گھر میں زیادہ وقت گزرنے کے باعث نصر بن حجاج سے ملاقات کا کم وقت ملتا تھا۔ اس لیے یہ طریقہ ایجاد کیا کہ اپنی بی بی کو نصر بن حجاج کی موجودگی میں اپنے پاس بلا لیا اور تینوں نے جمع ہوکر باتیں کرنا شروع کر دیں۔ اس کو عرصہ گزر گیا۔ اتفاقاً مجاشع ان دونوں کی موجودگی میں کسی کام میں مشغول تھے کہ یکایک نظر اوپر کو اُٹھی تو دیکھا کہ نصر بن حجاج زمین پر کچھ لکھ رہا ہے اور مجاشع کی بی بی نے دبی زبان سے یہ لفظ کہے "خدا کی قسم میں بھی مجاشع ایسے بچّہ تو نہ تھے... کہ وہ اس قدر دیکھنے اور سننے کے بعد بھی متنبہ نہ ہوتے۔ فوراً تاڑ گئے کہ بی بی کے یہ الفاظ جواب میں استعمال کیے گئے ہیں۔ جب مجلس برخاست ہوئی اور نصر بن حجاج اپنے جائے قیام کو واپس گئے تو مجاشع نے بامرارتمام بی بی سے دریافت کیا کہ نصر بن حجاج نے تم سے کیا کہا تھا جس کے جواب میں تم نے یہ لفظ کہے ایسے وقت پر گھبرا جانا اور وہ بھی عورت کا خصوصاً اس وقت جبکہ شوہر موجود ہو ایک طبعی امر ہے۔ ممکن تھا کہ اگر سوچ کر جواب دینے کی کوشش کرتیں تو شاید کوئی مناسب جواب دیتیں لیکن طبیعت کی حد سے متجاوز اضطراب نے بغیر سوچے جلد بولنے پر مجبور کیا گھبرا کر کہنے لگیں۔ "بات چیت تو کچھ بھی نہ تھی۔ نصر بن حجاج نے باتوں باتوں میں یہ کہا تھا کہ تمہاری یہ دُودھ دینے والی اُونٹنی نہایت خوبصورت ہے"۔ مجاشع کو اگر اس سے قبل شک تھا تو اب ظن اور غلبہ ظن ہوگیا اور کہنے لگے "اونٹنی نہایت خوبصورت ہے! اور قسم خدا کی میں بھی! ان دونوں جملوں

میں کیا ربط۔ دوسرا جملہ پہلے جملہ سے کسی طرح کا تعلق نہیں رکھتا ہے میں خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ فی الحقیقت کیا بات تھی؟ عورت جس اضطراب میں مبتلا ہوگئی تھی وہ محتاجِ بیان نہیں اور سمجھ گئی تھی کہ بے شک یہ دونوں جملے مرتبط نہیں ہو سکتے ہیں اور اپنے اضطراب کو بہت ضبط کرنے کے بعد اَب جبکہ آپ نے قسم دے دی تو مجھ کو بھی صاف ہی کہنا پڑا کہ اُنہوں نے یہ کہا تھا کہ تمہاری اُونٹنی کے کجاوہ نہایت عمدہ ہیں"۔ اَب تو مجاشع کے غلبہ ظن اور غلبہ ظن کے بعد غضب کی انتہا نہ رہی اور درشت لہجہ میں کہنے لگی "کجاوہ کے سامان کی عمدگی! اور خدا کی قسم میں بھی۔ اَب بھی تو اُن دونوں میں کسی قسم کا ربط نہیں"، مجاشع اتفاق سے امّی محض تھے لکھنا پڑھنا جانتے نہ تھے بی بی کو لکھنا بھی آتا تھا اور پڑھنا بھی اسی وقت ایک طشت منگوا کر نصر بن حجاج کے لکھے ہوئے کو اس سے چھپایا اور اپنے میر منشی کو بلوا کر نصر بن حجاج کے ہاتھ کی لکھی ہوئی عبارت پڑھوائی اُس نے اُس عبارت کو پڑھ لیا، مگر یہ خیال کیا کہ میاں بی بی کا معاملہ ہے اگر میں نے ان الفاظ کو پڑھ دیا تو خدا جانے کیا بات پیش آوے ممکن ہے کہ مجاشع کو غصّہ آجاوے اور وہ حکم قتل کا دے دیں یا خود ہی قتل کر دیں تو ناحق اس خون کا ذمّہ دار میں بنوں اور اگر یہ قصّہ یوں ہی رفع دفع ہوگیا تو ایسا نہ ہو کہ موقع پاکر مجاشع کی بی بی مجھ سے بدلہ لے لے۔ میر منشی اس تردد میں تھا کہ مجاشع نے سخت لہجہ میں اُس کو اس عبارت کے پڑھنے کا حکم دیا۔ اَب وہ مجبور ہوگیا اور کہا کہ حضور! یہ لکھا ہُوا ہے کہ "مجھ کو تجھ سے ایسی محبّت ہے کہ اگر وہ محبّت تیرے اُوپر ہوتی تو وہ تجھ پر سایہ فگن ہوتی۔ اور اگر تو اس کے اُوپر ہوتی تو وہ تیرے بوجھ کو اُٹھا لیتی" مجاشع یہ سُن کر زور سے بول اُٹھے کہ "بیشک اَب اس لکھے اور کان سے سُنے ہوئے کا مطلب مرتبط ہوگیا۔ بُری باتوں کی خبر کسی طرح چھپائے نہیں چھپتی خصوصاً بڑے گھرانوں میں یہ خبر بجلی کی طرح اِدھر اُدھر پہنچ گئی۔ نصر بن حجاج کو بھی خبر ہوگئی نصر بن حجاج کو اس اِفشائے راز کی کچھ ایسی شرم دامن گیر ہوئی کہ مجاشع کے پاس جانا تو بڑی بات گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ وطن کا فراق ہی تکلیف پہنچانے میں کیا کم تھا کہ اَب گھر میں محبوس رہنے نے حالت کو اور بھی ابتر کر دیا شدہ شدہ یہ خبر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بھی پہنچی اُنہوں نے مجاشع کو بُلا کر دریافت کیا تو اس افواہ کی تصدیق ہوئی۔ اس لیے نصر بن حجاج کو بُلا کر فرمایا کہ خدا کی قسم امیرالمومنین نے اگر ظاہر ہونے سے قبل ان شنائع کا احساس نہ کر لیا ہوتا تو ہرگز تم کو مدینہ سے جلا وطن نہ کرتے اَب تم یہاں بھی رہنے کے قابل نہیں ہو، تم ملک فارس جاؤ چنانچہ یہ بصرہ سے روانہ ہوکر فارس میں مقیم

ڈاکٹر محمود الحسن عارف

(قسط:۳ آخری)

پاکستان
میں قیامِ امن کا مسئلہ

القصہ مذہب اسلام میں انسانوں کی عزت اور جان و مال کی حفاظت کو حد سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے اسی لیے چادر و چار دیواری کے تحفّظ کا مسئلہ اسلامی ریاست کے لیے اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ نظامِ صلوٰۃ اور نظامِ زکوٰۃ کا مسئلہ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس اہم اور وقیع ترین مسئلے کے حصول کے لیے اسلام نے کون کون سی تدابیر اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے۔

دُنیا کا یہ مسلّمہ قاعدہ ہے کہ مقصد جتنا بڑا اور عظیم ہوتا ہے۔ وسائل و اسباب بھی اسی کے مطابق اختیار کیے جاتے ہیں اگر "تاج محل" تعمیر کرنا ہو یا "ایفل ٹاور" کی عمارت کھڑی کرنا ہو تو اس عظیم الشان عمارتوں کی تعمیر و تکمیل کے لیے ان کے مطابق وسائل کا انبار فراہم کرنا ہوگا ورنہ ان عمارتوں کا خواب تو دیکھا جا سکتا ہے، مگر اس خواب کو شرمندہ تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ کچھ یہی حال اسلام کے "قیامِ امن" کے دعوے کا بھی ہے۔ اسلام پُورے معاشرۂ انسانی کو امن و آشتی کی لازوال نعمت سے ہمکنار کرنے کے لیے ہی طلوع پذیر ہُوا ہے اسی لیے ارشاد باری ہے

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ	اور تم ان (کافروں) سے لڑتے رہو یہاں
فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ	تک کہ فتنہ (فساد) باقی نہ رہے اور دین
كُلُّهٗ لِلّٰهِ	سب خدا ہی کا ہو جائے۔

تو چونکہ یہاں مقصد بہت بلند و ارفع ہے لہٰذا اس کے حصول کے لیے اس کے مطابق ضروری "وسائل و اسباب" بھی اختیار کیے جانے ضروری ہیں۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ جس طرح "نصف علاج" مکمّل شفا کا موجب نہیں بن

لہ الانفال (۸ : ۳۹)

سکتا۔ اسی طرح اسلامی احکام کا نامکمل اور ناقص نفاذ بھی صحیح معنوں میں قیامِ امن کا ذریعہ نہیں بن سکتا، اس لیے قرآن کریم نے لوگوں کو مکمل طور پر داخلِ اسلام ہونے کی ہدایت کی ہے۔ اور حکم دیا ہے۔

"اے ایمان والو! پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور جس طرح ادھورے دین سے بندہ دنیائے کفر سے نکل کر وادی اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ادھورا نظام معاشرے کی برائیوں کا خاتمہ بھی نہیں کر سکتا۔"

اسلام نے قیامِ امن و امان کے لیے جو تدابیر ہمیں تعلیم دی ہیں، ان کو ہم آسانی سے دو حصّوں میں مطالعہ کر سکتے ہیں پہلے حصّے میں وہ حفاظتی تدابیر اور اقدامات آتے ہیں کہ جن کا مقصد ایسے حالات کا قبل از وقت سدِباب کرنا ہے کہ جن کے نتیجے میں کسی بھی معاشرے کے لیے چادر و چار دیواری کے عدمِ تحفّظ کا مسئلہ پیدا ہو سکتا ہے۔ ان اقدامات کی حیثیّت دریا کے اس بند جیسی ہے جو طوفان کو روکنے اور اس کے انسداد کے لیے قبل از وقت تعمیر کر دیا جاتا ہے۔ جبکہ دوسرے حصے میں وہ حدود و تعزیرات آتی ہیں کہ جو ایسے حالات کا سختی سے سدِباب اور "خاتمہ بالخیر" کر سکتی ہیں۔

ایک مشہور ضرب المثل ہے کہ پرہیز علاج سے بہتر ہے۔ اسلام نے چادر اور چار دیواری کے تحفّظ کے لیے جن حفاظتی اقدامات کی سفارش کی ہے۔ وہ اقدامات بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ اس سلسلے میں بنیادی بات یہ ہے کہ اسلام بلا تفریق رنگ و نسل ہر انسان کی "فطری آزادی" اور زندہ رہنے کا حق تسلیم کرتا ہے۔ اسلام اعمال کے اعتبار سے مرد و عورت میں کسی ایسی تفریق کا قائل نہیں کہ جس سے دونوں میں چھوٹے اور بڑے نیز کہتر و بہتر کا فرق پیدا ہوتا ہو، لیکن بایں ہمہ اسلام انسان کو بندروں اور بن مانسوں کی اولاد قرار دے کر اُن کی مادر پدر آزادی کا بھی قائل نہیں ہے۔ اس کے بجائے اسلام انسان کو شتر بے مہار نہیں، بلکہ ایک سمیع و بصیر فرد بنانا اور دیکھنا چاہتا ہے۔ اسی لیے اسلام نے اسلامی ریاست کے باشندوں پر کچھ پابندیاں عائد کی ہیں، مگر ان پابندیوں اور حدود و قیود کا مقصد دیگر مذاہب کی طرح انسانی جذبات و احساسات کو کچلنا اور اُن کا خاتمہ کرنا نہیں، بلکہ اُن کا واحد مقصد انسان کو اپنے جذبات و

احساسات کی تسکین و تشفی کے لیے ایک ضابطے اور ایک قانون کا پابند بنانا ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو نہ تو یورپ جیسی وہ جنسی آزادی عطا کرتا ہے کہ جس سے تمیزِ آدمیت ختم ہو جاتی ہے اور نہ اُس کے کاندھے پر ریاضتوں اور محنتوں کا وہ بوجھ لادتا ہے کہ جس سے اس کے قلب و فکر کی تمام توانائیاں کچلی جاتی ہیں اور انسان خود اپنے ہاتھ سے اپنے کیفرِ کردار تک پہنچ جاتا ہے اس کے برعکس اسلام اعتدال اور توازن کا ایک ایسا راستہ دُنیا کو ہدایت کرتا ہے کہ جس میں جیو اور جینے دو کا فارمولا زیادہ بہتر اور مؤثر طریقے سے سامنے آتا ہے اور جس سے چادر اور چار دیواری کا تقدس پُوری طرح قائم رہتا ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے اسلام کے اختیار کردہ حفاظتی اقدامات کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

الف۔ ذہن سازی اور فلسفہ خیر و شر کی وضاحت

اچھائی اور بُرائی نیکی و بدی کی تفریق انسان کی اپنی فطرت میں موجود ہے۔ انسان کو قدرت نے یہ بھرپُور صلاحیت بخشی ہے کہ وہ نیکی و گناہ میں اسی طرح فرق محسوس کر سکتا ہے جس طرح کہ وہ اندھیرے اور روشنی میں فرق کر سکتا ہے۔ نیکی و بدی کا یہ وصف انسان کا عالمگیر ورثہ ہے۔ اسی لیے دُنیا کے ہر ملک اور ہر قوم میں اس کا بُنیادی تصوّر پایا جاتا ہے۔ مگر اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اسلام، نیکی و بدی کے فرق کے لیے ایک ایسا فارمولا پیش کرتا ہے کہ جسے "وحی الٰہی" کی سرپرستی حاصل ہے اور جس کی جڑیں انسان کی اپنی فطرت کی گہرائیوں میں پیوست ہیں۔ اسی طرح اسلام نے فلسفہ خیر و شر کی وضاحت کے لیے فطرتِ سلیمہ کی بھرپُور رعایت رکھی ہے مگر چونکہ "فطرتِ سلیمہ" کا تعین مشکل ہے، اس لیے شریعت نے اس کی تعیین و تشخیص خود کر دی ہے۔[1]

علاوہ ازیں شریعتِ اسلامیہ نیکی و بدی کے تعین میں "خوفِ خدا" اور محاسبہ آخرت کے دو بُنیادی تصورات کا بھی اضافہ کرتی ہے جس کے نتیجے میں بُرائی کی اصلاح صرف اُوپر اُوپر سے نہیں بلکہ قلب و باطن سے بھی ہو جاتی ہے۔ ان دونوں اصولوں کی روشنی میں لوگ نہ صرف ظاہراً قانونِ شکنی سے باز رہتے ہیں بلکہ چھُپ چھُپا کر بھی اُنہیں گناہ کے ارتکاب سے وحشت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو مکہ مکرمہ کے تیرہ سالہ دَور میں کسی حد یا تعزیر کا

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ: شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ، جلد اوّل۔

نفاذ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی، بلکہ آپ نے لوگوں کی اس طرح یہی ذہن سازی فرمائی کہ اس قسم کا ایک واقعہ بھی پیش نہیں آیا اور مدینہ منوّرہ میں گو ایک محدود طور پر حدود و تعزیرات کا نفاذ بھی ہُوا، مگر اس کے ساتھ ساتھ ذہن سازی کا کام بھی بڑے ہی مؤثّر پیرائے میں کیا گیا۔ خود قرآن حکیم کا بڑا حصّہ اسی "مومنانہ ذہن سازی" پر مشتمل ہے۔ اسی ذہن سازی اور خوفِ خدا و محاسبہ آخرت کے ڈر کا یہ نتیجہ تھا کہ لوگ اپنی خلوتوں میں بھی ارتکابِ جُرم سے باز رہتے تھے اور مدنی معاشرے میں جرائم کی شرح نہایت ہی معمولی رہی۔

اگر حکومتِ پاکستان نے بھی چادر اور چار دیواری کا تحفظ کرنا ہے تو اس کے لیے خود حکومت کو اور ملک کے دانشور طبقے کو اپنی پوری توجہ اپنی پوری طاقت اس بُنیادی کام پر صرف کرنا ہوگی وجہ یہ ہے کہ محض ڈنڈے کے زور پر نہ صرف یہ کہ جرائم کا خاتمہ ممکن نہیں ہوتا، بلکہ اس کے نتیجے میں زیرِ زمین بدعنوانیوں کا جو سلسلہ شروع ہوتا ہے وہ بہت ہی خطرناک اور مہیب ہوتا ہے ذہن سازی کے مقصد کے حصول کے لیے مرحلۂ اوّل کے طور پر نظامِ تعلیم اور نظامِ ابلاغ کی اصلاح کرنا ہوگی۔

مگر ملک اور قوم کی یہ کتنی بدقسمتی ہے کہ تاحال اس اہم مسئلے کی جانب سے ہماری مجرمانہ غفلت اور بزدلانہ پست ہمتی کا سلسلہ جاری ہے اور یہ اُسی کا نتیجہ ہے کہ آج کتابیں اُٹھانے والے ہاتھوں میں کلاشن کوفیں اور سٹین گنیں نظر آرہی ہیں اور ہمارے مستقبل کے معمار پیشہ ور ڈاکوؤں سے چار قدم آگے نظر آرہے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر نظامِ تعلیم کے ذریعے دیسی لوگوں میں "کالے انگریز" پیدا کیے جاسکتے ہیں۔ کمیونسٹ اور سوشلسٹ بنائے جاسکتے ہیں۔ عُریاں فلموں اور منشیات کے عادی "ڈسکو دیوانے" تخلیق کیے جاسکتے ہیں تو اسی میڈیا کو اختیار کرکے ایک ذمّہ دار اور فرض شناس نسل کیوں تیّار نہیں کی جا سکتی؟ ذہن سازی کے اس عمل میں ملک کے نظامِ تعلیم کے علاوہ دیگر ذرائع ابلاغ کا کردار بھی بڑا اہم ہے۔ لہٰذا ان تمام ذرائع اور وسائل کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ ان سے ایک صالح معاشرہ تشکیل پاسکے نہ کہ اخلاقی اور جسمانی بیماریوں میں مبتلا نسل۔ اصلاحِ معاشرہ کا یہ عمل نہ تو آپ سے تشکیل پذیر ہوسکتا ہے اور نہ ہی اس کام کے لیے کوئی آسمان سے فرشتہ نازل ہوگا۔ یہ کام انہی ہاتھوں

مغرب میں فی الوقت جو نظامِ تعلیم اور نظامِ ابلاغ جاری و نافذ ہے اور جس کے اثراتِ بد مشرقی و اسلامی ممالک کے پُرسکون معاشروں میں بھی اختلال پیدا کر رہے ہیں۔ اس کی بُنیاد جنسی آزادی اور بے راہ روی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کی نئی نسل اس جنسی جذبے سے اسی وقت آشنا ہو جاتی ہے۔ جب وہ کم و بیش اپنے ہوش کی آنکھیں کھولتی ہے، چنانچہ ان ممالک میں کم سن جنسی مجرموں کی تعداد بھی اتنی ہے جتنی کہ بالغ جنسی مجرموں کی۔ اس کی بُنیادی وجہ یہ ہے کہ یورپ میں زندگی کا جو فلسفہ کام کر رہا ہے اس میں اس فعلِ شنیع کو آزاد زندگی کی علامت سمجھا جاتا ہے اور ان ملکوں میں اس کو کھانے پینے کی طرح ضروریاتِ زندگی میں شامل کر لیا گیا ہے۔

اُن کے نزدیک گناہ اور جُرم فقط جبر و اکراہ ہے اور لُطف کی بات یہ ہے کہ اتنی جنسی و حیوانی آزادی کے باوجود وہاں جبر و اکراہ کے واقعات مشرقی ممالک کی نسبت بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

اسلام کا تصوّرِ قیامِ امن اس سے بالکل مختلف اور قطعی برعکس ہے۔ اسلام اس قسم کے غیر قانونی اور غیر اخلاقی فعل کو معاشرے کے لیے "سم" قاتل کی حیثیت دیتا ہے۔ اسلام "خاندانی سسٹم" کو بحال رکھنا چاہتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں عورت کو بہن ماں اور بیٹی کی حیثیت دے کر اس کو تحفظ دیتا ہے۔ لہٰذا اسلام کی نظروں میں عورت نہ تو بکاؤ مال ہے اور نہ ہی شمعِ محفل بلکہ وہ تو انسانیت کا وہ اعلیٰ و ارفع جوہر ہے کہ جس کی گود سے اولوالعزم پیغمبروں، صف شکن مجاہدوں اور عظیم فاتحین نے جنم لیا ہے۔ اس لیے ہمیں سب سے پہلے قدم کے طور پر اپنے نظامِ تعلیم اور نظامِ ابلاغ کی اصلاح کرنا ہو گی۔ اصلاح سے مراد یہ ہے کہ ایسا نظامِ تعلیم اور ایسا نظامِ ابلاغ وضع اور نافذ کیا جائے اور اس کی اس طرح مرحلہ وار اصلاح کی جائے جس سے پاکستان کے نوجوانوں کی ایسی صالح تربیت ہو اور اُن کے اندر وہ صالح جذبات پروان چڑھیں جو ایک طرف ان میں حب الوطنی اور جذبہ قومیت بیدار کریں اور دوسری جانب ان میں اپنی ذمّہ داری کا احساس، خوش خلقی مروّت اور بڑوں کی عزّت و تکریم اور چھوٹوں پر شفقت کے جذبات پیدا کرے۔ یہ دُرست ہے کہ اس ہدف کا حصول اتنا آسان نہیں ہے مگر ناممکن بھی نہیں ہے اگر جذبہ صادق اور جذبہ اخلاص موجود ہو تو بڑی بڑی مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔

مشکلے نیست کہ آسان نشود مرد باید کہ ہراساں نشود

مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہٗ

رمضان کی فضیلت

اور

تاریخی واقعات

یہ بات کم و بیش ہر مسلمان جانتا ہے کہ اسلام کی بنیادی باتیں پانچ ہیں، جن کو "ارکانِ اسلام" کہا جاتا ہے۔ ان ارکان میں ایک اہم رکن ماہ رمضان کے پورے رمضان کے مہینہ کے روزے ہیں روزوں کی فضیلت تو اپنی جگہ روزہ رکھنے کے لیے سحری کھانا علیحدہ اور مستقل عبادت۔ حدیث میں سحری کھانے والوں کو بشارت دی گئی کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں۔ (طبرانی، ترغیب)

○ اسی طرح حدیث میں ہے۔ روزہ دار کے لیے دو موقعے خوشی کے ہیں ایک افطار کے وقت (دنیا میں) دوسرے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت (آخرت میں) ایک حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ روزہ دار کی افطار کے وقت دُعا قبول فرماتے ہیں۔ اس سے معلوم ہُوا کہ روزہ صرف ایک عبادت نہیں بلکہ کئی عبادتوں کا مجموعہ ہے۔

ماہ رمضان کی فضیلت و عظمت

○ ماہ رمضان کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اللہ کا مہینہ فرمایا ہے اس مہینہ کی فضیلت و عظمت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ قرآنِ پاک اور اکثر آسمانی کتابیں اسی بابرکت اور مقدس مہینے میں نازل ہُوئیں۔

○ ماہ رمضان کی پہلی یا تیسری تاریخ کو سیّدنا ابراہیم علیہ السلام پر صحیفے نازل ہُوئے جو تعداد میں دس تھے۔ صحف ابراہیمی سے سات سو سال بعد رمضان کی چھ تاریخ کو سیّدنا موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہُوئی۔ تورات سے پانچ سو سال بعد تیرہ یا اٹھارہ رمضان کو سیّدنا داؤد علیہ السّلام پر زبور نازل ہُوئی۔ زبور سے بارہ سو سال بعد رمضان کی اٹھارہ تاریخ کو سیّدنا عیسیٰ علیہ السّلام پر انجیل نازل ہُوئی۔

نزولِ قرآن

انجیل سے پُورے چھ سو بیس سال بعد سترہ رمضان المبارک مطابق ۶ اگست ۶۱۰ء بروز پیر سیّدنا و مولانا جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر قرآنِ مجید فرقانِ حمید نازل ہونا شروع ہُوا۔ اور تیئس سال کے عرصہ میں مکمل ہُوا۔ چنانچہ ارشادِ رب العالمین ہے۔

"رمضان کے مہینہ میں قرآن مجید کا نزول شروع ہُوا وہ (قرآن) انسانوں کے لیے رہنما ہے اور ہدایت کی روشن دلیلیں رکھتا ہے۔" (پارہ نمبر ۲ رکوع ۷)

ماہ رمضان نزولِ قرآن کی زندۂ جاوید یادگار ہے

ایک حدیث میں ہے۔ روزہ اور قرآن قیامت کے دِن اللہ کے حضور میں شفاعت کریں گے روزہ کہے گا۔ اے میرے پروردگار! مَیں نے اسے دن میں کھانے پینے سے اور خواہشاتِ نفسانی سے روکا تھا، لہٰذا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ اسی طرح قرآن کہے گا مَیں نے اسے رات میں (زیادہ) سونے سے روکا تھا، لہٰذا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بشارت دیتے ہُوئے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ دونوں کی شفاعت قبول فرمائیں گے۔ ہماری دُعا ہے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ماہ رمضان کا احترام اور روزہ رکھنے کی توفیق اور قرآنِ کریم کی تلاوت کا شوق عطا فرماوے۔ آمین

غور کریں تو رمضان المبارک میں دو عبادتیں اہم ہیں۔ دن کا روزہ۔ رات کی تراویح اور تراویح میں قرآنِ کریم کی تلاوت ایسی عبادت ہے کہ سال کے گیارہ مہینوں میں نہیں ہوتی جو قرآنِ کریم کی حفاظت کا بے مثال عمل ہے اور اللہ تعالیٰ کے قرآن کی حفاظت کے ذمّہ کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

○ جنگِ بدر

اسی مقدّس و بابرکت مہینہ میں رمضان کی ۱۷ تاریخ کو کفر و اسلام کا پہلا معرکہ اور حق و باطل کی فیصلہ کن لڑائی (جنگِ بدر) ہُوئی اور پہلے ہی معرکہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زبردست فتح و نصرت عطا فرمائی، مشرکینِ مکّہ کے ستّر بڑے بڑے سرغنے ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دیے گئے اور ۷۰ قید کر لیے گئے۔

○ فتح مکّہ: اسی مہینہ (رمضان) کی ۲۰ تاریخ کو اللہ تعالیٰ نے حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم

کے دستِ مبارک پر مکّہ معظّمہ فتح کرایا۔ اُس وقت آپ کے ساتھ دس ہزار صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کا مجمع تھا۔

○ اس لیے مُسلمانوں کو اس مہینہ کے فیوض و برکات سے بہرہ مند ہونے کا حکم دیا گیا اور فرمایا گیا "جو شخص تم میں سے اس مہینے (رمضان) کو پائے تو اس کو چاہیے اس ماہ کے روزے رکھے۔"

(پارہ ۲، رکوع ۷)

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اور اس میں تنگی نہیں اس لیے اسی رکوع میں آگے فرمایا گیا۔

"اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اس کو چاہیے (رمضان کے بعد) دوسرے دنوں میں (چھوٹے ہوئے روزوں کی) گنتی پُوری کرے۔ اللہ تعالیٰ کو تمہارے لیے آسانی منظور ہے اور تمہارے لیے دشواری منظور نہیں۔" (پارہ نمبر۲، رکوع نمبر۷)

○ روزے کے فائدے: روزہ میں جسمانی اور روحانی دونوں فائدے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں تین فائدے اور مقصد بیان فرمائے ہیں۔ ۱۔ تاکہ تم پرہیز گار ہو جاؤ۔ ۲۔ تاکہ تم شکر ادا کیا کرو۔ ۳۔ تاکہ روزے دار نیک راستہ پر لگ جائیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔ روزہ تریاق ہے جو نفسانی خواہشات کو دُور کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ ۱۔ روزہ دار کو اپنے نفس پر قابو حاصل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے نفسانی خواہشیں کمزور اور سُست پڑ جاتی ہیں۔ ۲۔ روزہ دار روزہ کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے بہت قریب ہو جاتا ہے۔ ۳۔ روزہ دار کو عبادت میں لُطف آتا ہے اور طبیعت لگتی ہے۔ ۴۔ روزہ دار کو گناہوں سے بے رغبتی ہونے لگتی ہے، کیونکہ پیٹ خالی ہونے کی وجہ سے گناہوں کی قوّت کمزور پڑ جاتی ہے، نیکیوں کی طاقت اُبھر آتی ہے، انسان جب پیٹ بھرا ہُوا ہوتا ہے تو گناہوں کی طرف رغبت ہوتی ہے اور بہت سی ایسی باتیں ہو جاتی ہیں جو دین و دُنیا کی ذلّت و رسوائی کا سبب ہوتی ہیں۔

○ روزہ کی حالت میں مسکینوں پر رحم آتا ہے، بھُوکے آدمی کو دیکھ کر دل میں ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ جسمانی بیماریوں کے لیے بھی روزہ بہت مفید ہے خصُوصاً بلغمی بیماریوں کے مریض کے لیے۔

خلاصہ یہ کہ روزہ کی مثال تریاق اور دوا کی طرح ہے جس کے استعمال سے روحانی اور جسمانی بیماریاں

دُور ہوتی ہیں۔

○ روزہ دار پر انعاماتِ خداوندی

جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے احادیث میں روزے داروں پر انعاماتِ خداوندی کو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ چند حدیثوں کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے۔ ۱۔ ہر چیز کی زکوٰۃ ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے (ابن ماجہ) ۲۔ روزہ دار کا سونا بھی عبادت ہے اور اُس کا خاموش رہنا تسبیح (پڑھتے رہنے) کے برابر ہے، روزہ دار کی دُعا قبول ہوجاتی ہے، گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ (بیہقی) ۳۔ جنّت کے ایک دروازے کا نام "ریّان" ہے، قیامت کے دِن اس سے صرف روزے دار داخل ہوں گے، روزے داروں کو آواز دی جائے گی کہ روزے دار کہاں ہیں، اس کے بعد وہ اُٹھیں گے اور "رَیّان" سے جنّت میں داخل ہوجائیں گے۔ پھر دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ اور کوئی اس دروازہ سے داخل نہ ہوگا۔ ۴۔ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتے ہیں کہ آدمی کا ہر عمل اسی کا ہے، مگر روزہ وہ میرا ہے اور مَیں ہی اُس کا بدلہ دُوں گا۔ مَیں ہی اُس کا بدلہ دُوں گا۔ مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دِن بندہ کا حساب لیں گے۔ اُس کے ذمّہ لوگوں کے جتنے حقوق ہوں گے وہ اس کے اعمال سے ادا کیے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس روزہ کے سوا اور کوئی عمل باقی نہ رہے گا تو حق دار روزے کو بھی چھیننا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ باقی سارے حقوق کی ادائیگی اپنے ذمّہ لے لیں گے اور روزہ کسی حق دار کو نہیں دیا جائے گا اور روزہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو جنّت میں داخل فرمادیں گے۔ یہ چند حدیثیں روزے داروں پر انعامات خداوندی کے سلسلہ میں بیان کی گئیں۔ ایسے انعامات کو پڑھ کر بھی روزہ رکھنے سے جی چُرانا بدقسمتی اور محرومی ہے اب چند حدیثیں روزہ نہ رکھنے کی وعید کے سلسلہ میں بھی پڑھ لیجیے۔

○ روزہ نہ رکھنے پر وعید

۱۔ حضرت ابوامامہ باھلی رضؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا، کہ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ کچھ لوگ اُلٹے لٹکے ہُوئے ہیں اور اُن کے جبڑے چرے ہُوئے ہیں اور اُن سے خُون بہہ رہا ہے، آپ نے دریافت فرمایا یہ کون لوگ ہیں؟ تو آپ کو بتلایا گیا۔ یہ روزہ خور ہیں۔

۲- ایک مرتبہ حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم منبر شریف پر چڑھ رہے تھے تو آپؐ نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو بلند آواز سے آمین کہا۔ پھر دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو بلند آواز سے آمین کہا۔ پھر تیسری سیڑھی پر قدم رکھتے وقت آمین کہا۔ صحابۂ کرام نے خلافِ معمول بلند آواز سے آمین کہنے کی وجہ دریافت فرمائی تو آپ نے بتلایا اس وقت میرے پاس جبرئیل علیہ السّلام آئے تو اُنھوں نے کہا۔ برباد اور ہلاک ہو وہ شخص جسنے رمضان کا مہینہ پایا پھر بھی اُس نے اپنی مغفرت کا سامان نہ کیا (یعنی روزے نہ رکھے) دوسری مرتبہ آمین اس لیے کہی جبرئیل علیہ السّلام نے بددُعا کی کہ وہ شخص ہلاک و برباد ہو جس کے سامنے آپؐ کا نامِ نامی آئے اور درود نہ بھیجے۔ تیسری مرتبہ آمین کہنے کی وجہ یہ بیان فرمائی۔ جبرئیل علیہ السّلام نے اس شخص کے لیے بددُعا فرمائی کہ جس شخص کے ماں باپ یا اُن میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پہنچے پھر بھی اُنھوں نے اس کو جنّت میں داخل نہ کرایا۔ آپؐ نے جبرئیل علیہ السّلام کی بددعا پر تینوں مرتبہ آمین کہا۔ غور کریں بددُعا کرنے والا جبرئیل علیہ السّلام جیسا مقرّب فرشتہ ہو اور آمین خُدا کی ایسی مقرّب اور برگزیدہ ہستی کی ہو تو ایسے شخص کی تباہی اور بربادی میں کچھ شُبہہ ہو سکتا ہے؟

دُعا ہے اللہ تعالیٰ ہر مُسلمان کو ماہ رمضان کے احترام اور روزے رکھنے کی توفیق دے۔ آمین

○

شاعرِ اسلام سیّد امین گیلانی کا مجموعۂ نعت

سرمایۂ دُرویش

شائع ہو چکا ہے۔ عمدہ کاغذ عمدہ لکھائی عمدہ جلد

قیمت :/۸۰ روپے

انفرادی خریدار یا تاجر حضرات مندرجہ ذیل پتوں پر رجوع کر سکتے ہیں

○ ادارہ السادات سرائے سادات فاروقیہ کالونی شرقپور روڈ شیخوپورہ۔ فون نمبر ۵۴۴۱۶ ——

○ مرکزی دفتر مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوّت حضور باغ روڈ ملتان ○ صوبائی دفتر مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوّت آرٹ سکول روڈ کوئٹہ شہر ○ صوبائی دفتر مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوّت ایم اے جناح روڈ پرانی نمائش کراچی

(قسط : ۵)

تحقیق مسئلہ ایصالِ ثواب

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی، لکھنؤ، بھارت

مبحث ششم

اموات کی طرف سے حج خالص مالی اور خالص بدنی کے علاوہ عبادت کی جو ایک تیسری قسم ہے جس میں روپیہ پیسہ بھی خرچ ہوتا ہے اور محنت مشقّت بھی پڑھتی ہے (جیسے کہ حج) تو اس کے ذریعہ اموات کی نفع رسانی اور ایصالِ ثواب کے متعلق بھی متعدد صریح احادیث کتب صحاح ہی میں مروی ہیں۔ از اں جملہ ایک تو حضرت بریدہؓ کی وہی حدیث ہے جو صحیح مسلم کے حوالہ سے ابھی ابھی بیان ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک عورت نے چند مسئلے پوچھے جن میں آخری مسئلہ یہ تھا کہ میری والدہ بغیر حج کیئے فوت ہو گئی ہیں کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں! تم ان کی طرف سے حج ادا کرو (صحیح مسلم باب قضاء الصوم عن المیّت ج۔ ا ص۳۰۲) دوسری حدیث حج کے بارہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ہے جو صحیح بخاری میں بایں الفاظ مروی ہے:

ان امراءۃ من جھینۃ جاءت الی النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فقالت ان امّی نذرت ان تحج فلم تحج حتی ماتت افاحج عنھا قال حجی عنھا ارأیت لو کان علی امّک دین اکنت قاضیۃ اقضوا للّٰہ فاللّٰہ احق[1] بالوفاء (ج:۱، ص۲۵۰)

"کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ میری والدہ نے حج کی نذر کی تھی اور وہ اس کے پورا کرنے سے پہلے ہی وفات پا گئیں، تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہاں، بیشک تم ان کی طرف سے حج ادا کرو۔

---

[1] اس حدیث کی مختلف روایات میں کچھ معمولی سے اختلافات ہیں جن کی وجہ سے اس کے اضطراب کا شبہہ ہو سکتا ہے۔ حافظ ابن حجر نے مفصل کلام کر کے اس اختلاف کو حل کیا ہے (فتح الباری، ص:۲۲۱ جز ۷)

پھر آپ نے فرمایا بتاؤ اگر تمہاری ماں پر کچھ قرض ہوتا تو تم اس کو ادا کرتیں یا نہیں۔ پس ایسے ہی اللہ کا جو حق ان پر تھا (یعنی حج) اس کو بھی ادا کرو۔ اللہ پاک تو ادائیگی حقوق کا اور زیادہ مستحق ہے۔"

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اموات کی طرف سے حج بھی کیا جا سکتا ہے اور آخری احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد نے کہ "جس طرح اموات کی طرف سے قرضے ادا کیے جا سکتے ہیں اور وہ ادا ہو جاتے ہیں اسی طرح اللہ کا قرض بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔" اس مسئلہ کو ایک اصولی حیثیت دے دی ہے۔

یہاں اس چیز کا واضح کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نماز اور روزہ وغیرہ خالص بدنی عبادات کے اموات کے لیے کرنے نہ کرنے اور ان کے نافع ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں تو اگرچہ ائمہ سلف میں اختلاف ہوا ہے (جیسا کہ مذکور ہو چکا) لیکن حج کے بارہ میں صدقہ خیرات ہی کی طرح اُن میں اس امر پر بالکل اتفاق ہے کہ اموات کی طرف سے حج کیا جا سکتا ہے اور اس سے اموات کو نفع اور ثواب پہنچتا ہے۔ اگرچہ پھر بعض نے اس کو مطلقاً تسلیم کیا ہے اور بعض کے نزدیک یہ حکم کچھ قیود اور شرائط کے ساتھ مشروط ہے جس کی تفصیلات "فتح الباری" وغیرہ شروح حدیث اور مبسوطات فقہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

واضح رہے کہ صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی ان دونوں حدیثوں (حدیث بریدہ اور حدیث ابن عباس) کے علاوہ چند اور حدیثیں صحیحین اور سُنن میں اس مضمون کی بھی موجود ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے معذور اور بے دست و پا بوڑھوں کے متعلق سوال کیا گیا جو سفر اور نقل و حرکت کے قابل نہ ہونے کی وجہ سے خود حج نہیں کر سکتے کہ کیا ان کی طرف سے کوئی دوسرا اُن کا آدمی حج ادا کر سکتا ہے؟ تو حضرت نے اس کی اجازت دی۔ اس قسم کے متعدد واقعات احادیث صحیحہ میں مروی ہیں، نیز احادیث سے اس کا بھی بین ثبوت ملتا ہے کہ عہدِ نبوی میں اس طرح دوسروں کی طرف سے حج کیا گیا۔ حدیث کی متداول ہی کتابوں میں اس موضوع پر مستقل ابواب ہیں، لیکن چونکہ اس مقالہ میں ہماری اصل بحث اموات کی طرف سے اعمالِ خیر کرنے اور ان کیلئے اس کے نافع ہونے ہی سے متعلق ہے اس لیے ان احادیث کو ہم نے یہاں درج نہیں کیا ہے اگرچہ اتنی اصولی بات ان احادیث سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ ایک مسلمان اپنے عملِ خیر سے دوسرے مُسلمان کو نفع اور ثواب پہنچا سکتا ہے اور اسی اصل پر مسئلہ "ایصالِ ثواب" کی بنیاد ہے۔

اسی مسئلہ کے متعلق ایک اور علمی بحث بھی یہاں قابلِ ذکر ہے جس سے اس مسئلہ کے سلجھاؤ میں ناظرین کرام کو مدد مل سکتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

نیابت کی صحت کے لحاظ سے عبادات کی تقسیم

دوسروں کی طرف سے اعمالِ خیر کرنے کے بارہ میں جو مختلف احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں غور کرکے اکثر مجتہدین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ "عبادات" دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جن میں نیابت کی گنجائش ہے یعنی جن کا حال یہ ہے کہ اگر ان کو مکلّف کی طرف سے کوئی دوسرا نیابتہً ادا کردے تو وہ ادا ہو جاتے ہیں جیسے کہ بندوں کے آپس کے مالی حقوق، قرضہ جات وغیرہ کا حال ہے (مثلاً زید کو عمرو کے ہزار روپے دینے ہیں تو اب اگر زید کی طرف سے، مثلاً اس کا بھائی بکر، یہ ایک ہزار روپے عمرو کو ادا کردے تو زید کے اُوپر سے اُتر جاتے ہیں، پھر خواہ بکر کی طرف سے یہ ادائیگی زید کی زندگی میں ہوئی یا زید کے مرنے کے بعد، بہرحال قرضہ زید کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے) تو یہی حال اللہ پاک کے بعض حقوقِ بندگی (یعنی بعضی عبادات) کا ہے کہ بطورِ نیابت اگر ان کو مکلف کی طرف سے کوئی دوسرا شخص (بالخصوص معذوری کی حالت میں) ادا کردے تو مکلف ہی کی طرف سے اس کی ادائیگی ہو جاتی ہے۔ یعنی پھر مکلف کے ذمّہ سے وہ حق اُتر جاتا ہے اور دوسری قسم کی عبادات وہ جن میں اس طرح کی نیابت نہیں چل سکتی۔

پھر جن مجتہدین نے کل عبادات کی یہ دو قسمیں سمجھی ہیں (اور انہیں میں سے فقہائے حنفیہ بھی ہیں) قریباً وہ سب اس پر متفق ہیں کہ خالص بدنی عبادات مثلاً روزہ، نماز وغیرہ میں نیابت نہیں چل سکتی۔

لیکن خالص مالی عبادات مثلاً صدقہ و خیرات اور قربانی وغیرہ میں، نیز ان عبادات میں بھی جو مالی اور بدنی دونوں قسم کی قربانیوں پر مشتمل ہوں جیسے کہ حج تو ان سب میں اپنے شرائط کے ساتھ نیابت صحیح ہے یعنی خاص حالات میں دوسروں کے ادا کردینے سے بھی مکلف کے سر سے اس کا بوجھ اتر جائے گا اور فرض ادا ہو جائے گا۔ جیسا کہ قرضہ وغیرہ آپس کے مالی حقوق کا حال ہے۔ پھر یہ تفریق صرف "نیابت" میں ہے۔ ایصالِ ثواب اس کے علاوہ چیز ہے۔

"ایصالِ ثواب" میں خود اس مردے کے فرض کی ادائیگی اور اس کی طرف سے نیابتہً اس عمل کا کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ اپنے کیے ہوئے عمل کا صرف اس کو ثواب پہنچانا پیشِ نظر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دوسری چیز ہے۔ اور یہ تو دُعائے خیر اور دُعائے رحمت کی طرح کا صرف ایک حُسنِ سلوک اور میت کے ساتھ احسان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے وہ فقہاء جو بدنی عبادات نماز، روزہ وغیرہ میں نیابت کے قائل نہیں ہیں (مثلاً فقہاء حنفیہ) وہ انہی عبادات کے ذریعہ "ایصالِ ثواب" کے قائل ہیں۔

نتیجۂ بحث

خیر یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا جو صرف مسئلہ کو سلجھانے کے لیے یہاں ذکر کر دیا گیا۔ اب اصل مسئلہ کے متعلق مذکورۃ الصدر دلائل کو سامنے رکھنے کے بعد بطور حاصل مدعا کے دو باتیں عرض کرنی ہیں :

الف : اتنی بات تو دعاء و استغفار کے متعلق وارد شدہ قرآنِ پاک کی واضح آیات سے ثابت ہے کہ اموات کو زندوں کے دعاء و استغفار سے فائدہ پہنچتا ہے، حالانکہ ظاہر ہے کہ یہ دُعا اور یہ استغفار ان مُردوں کا اپنا عمل نہیں ہے، بلکہ ان کی نفع رسانی کے لیے زندوں ہی کا عمل ہے۔ اس سے منکرین کی یہ بنیاد تو بالکل ڈھے جاتی ہے کہ کسی آدمی کو کسی دوسرے آدمی کی کسی سعی اور کسی عمل سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔ غرض اس سالبہ کلیہ کو تو جس کو یہ منکرین اپنی خوش فہمی سے قرآن کی طرف منسوب کرتے ہیں) خود قرآن مجید کی آیاتِ بینات نے توڑ دیا۔

ب : "مبحث دوم" سے لے کر یہاں تک، عباداتِ مالیہ، عباداتِ بدنیہ اور مرکبہ کے متعلق جتنی احادیث پیش کی گئی ہیں وہ سب اگرچہ بجائے خود بہ اصلاح محدثین "اخبار آحاد" ہیں اور اگرچہ ان کے مضامین اور متضمنات الگ الگ ہیں، لیکن بطور "قدرِ مشترک" کے اتنی بات ان سب سے معلوم ہوتی ہے کہ "زندہ مسلمان اپنے اعمالِ خیر کے ذریعہ مردہ مسلمانوں کو نفع اور ثواب پہنچا سکتے ہیں اور یہ نفع اور ثواب مردوں کو پہنچنا برحق ہے"۔ تو اس مسئلہ کی بنیاد صرف "خبر واحد" کے درجہ کی ظنی حدیثوں پر نہیں رہی، بلکہ "قدرِ مشترک والے تواتر" سے اس کا ثبوت ہُوا اور اہلِ علم جانتے ہیں کہ "تواتر قدرِ مشترک" بھی "تواتر اسنادی" ہی کی طرح موجب علم یقین ہوتا ہے[1]

---

[1] تواتر قدر مشترک "تواتر" کی چار قسموں میں سے ایک ہے اور اس کی حقیقت جو علماء اصول نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ مختلف واقعات کو مختلف اشخاص مثلاً نقل کریں لیکن ان واقعات اور ان مختلف خبروں میں کوئی امر کلی مشترک ہو یعنی وہ بات ان تمام مختلف واقعوں اور خبروں سے یکساں طور پر مفہوم ہوتی ہو تو اگرچہ ان واقعات اور ان خبروں کی تفصیلات پر ہمیں یقین نہ ہو، لیکن "اس امر کلی مشترک" کا ہم کو بالکل یقین ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال ہماری روایتی معلومات میں یہ ہے کہ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فقر پسندی اور سادہ زندگی، حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے دورِ خلافت میں بھی درویشانہ زندگی اور حضرت خالد کی جنگی مہارت یہ سب چیزیں جن مختلف منقولہ واقعات سے سمجھی جاتی ہیں۔ وہ سب بجائے خود "اخبار آحاد" ہی ہیں اور اس لیے ان میں سے ہر واقعہ بجائے خود صرف ظنی ہی ہے، لیکن ان واقعات سے بطور قدر مشترک جو یہ نتیجے نکلتے ہیں یہ اہلِ علم کے نزدیک بلاشُبہہ یقینی ہیں۔ یہ یقین جس چیز نے پیدا کیا بس اسی کا نام "تواتر قدر مشترک" ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ مقدمہ فتح الملہم ص : ۶ (۱۲)

نیز اس مسئلہ کو تواترِ عملی بھی حاصل ہے۔ یعنی ہر زمانہ میں مسلمانوں کا اس پر عمل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تفصیلات اور جزئیات میں اختلاف کے باوجود نفسِ اُصولی مسئلہ میں گویا جمہور اہلِ اسلام اور تمام ائمہ سلف کا اجماع اور اتفاق ہے جیسا کہ مختلف مکاتبِ خیال کے علماء متقدمین و متاخرین کی کتابیں شاہد ہیں اور سب سے بڑی شہادت دوسری صدی ہجری کے جلیل القدر امام حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی ہے جو "صحیح مسلم" کے حوالہ سے مقالہ ہذا کے صفحہ ۱۹ پر درج ہو چکی ہے۔

پس کتاب و سُنّت کے ان واضح دلائل، صحابہ کے آثار، ائمہ سلف کے اجماع و اتفاق اور پوری اسلامی تاریخ کے عملی تواتر کے ہوتے ہوئے یہ دعویٰ کرنا کہ "زندوں کے کسی سعی و عمل سے مردوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا" ایک حیرت انگیز جسارت ہے۔ واضح رہے کہ ہمارا زور اور ہمارا اصرار بھی صرف اتنے ہی اصول پر ہے جس کو تواتر اور اجماع کی قوت حاصل ہے۔ باقی جن تفصیلات و جزئیات میں اُوپر بھی اختلاف ہوا ہے ان کے کسی پہلو پر خود ہم کو بھی اصرار نہیں ہے۔

یہاں تک ہمارا کلام نفسِ مسئلہ کے ثبوت پر تھا۔ اب ہم حضراتِ منکرین کے اُن دلائل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو اس بارہ میں ان کی طرف سے پیش کیے جاتے ہیں:

مبحث ہفتم

منکرین کے دلائل یا شبہات

ابتدائی تمہیدی سطروں میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اس مسئلہ میں مُنکرین کو چند آیات سے بھی مغالطہ لگا ہے اور اس لیے وہ اپنی غلط فہمی سے اس انکار کو قرآنِ پاک کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اِن آیات پر ہم کو تفصیل سے کلام کرنا ہے لیکن اس سے پہلے اُن کے ایک دو اُصولی شبہوں کا جواب دے دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جن کو وہ خود بھی پہلے نمبر پر پیش کیا کرتے ہیں:

پہلا شُبہ: یہ ہے کہ قرآن مجید میں کہیں ایصالِ ثواب کی تعلیم نہیں دی گئی اور جس چیز کے متعلق قرآن خاموش ہے اور اس کا تعلق عقائد یا عبادات سے کہا جاتا ہے تو پھر وہ چیز دین میں کَاَنْ لَّمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا کا حکم رکھتی ہے اور بالکل بے اصل چیز ہے[1]۔

---

[1] انکارِ ایصالِ ثواب پر رجب و شعبان ۱۳۶۲ھ کے "الفرقان" میں صوبہ بہار کے ایک صاحب کا مضمون شائع ہوا تھا یہ اُسی کا اقتباس ہے۔ ۱۲

حیرت ہے کہ اتنا بڑا اور اتنا اہم دعویٰ کتنی سادگی اور بے پروائی سے کر دیا گیا ہے۔ خیال ایسا ہوتا ہے کہ شاید اس عبارت کے حوالہ قلم کرتے وقت صاحبِ مضمون سے الفاظ کے انتخاب میں غیر ارادی طور پر چوک ہو گئی ہے ورنہ غالباً ان کا مقصد اتنا عام دعویٰ کرنا نہ ہوگا جس سے دین کی ساری عمارت ہی درہم برہم ہو جاتی ہو۔

اور چیزوں کو جانے دیجئے صرف نماز ہی کو لے لیجئے جو دین کا رکنِ رکین اور افضلِ عبادات ہے۔ سب جانتے ہیں کہ قرآن میں تو صراحتہً یا اشارۃً یہ بھی مذکور نہیں ہے کہ فجر میں اتنی رکعت پڑھی جائیں، ظہر میں اتنی، عصر میں اتنی اور مغرب و عشاء میں اتنی اتنی، نیز قرآن اس سے بھی خاموش ہے کہ ایک ایک وقت کی نماز میں کتنے رکوع ہوں، کتنے سجدے، کتنے قعدے اور پھر کہاں کہاں کیا کیا پڑھا جائے؟ اور ظاہر ہے کہ ان سب سوالات کا تعلق اعلیٰ درجہ کی عبادات نماز ہی سے ہے اور قرآن ان تمام اُمور سے خاموش ہے۔ (ہاں! احادیث اور اسوۂ رسُول سے یہ سب چیزیں معلوم ہوتی ہیں اور اسی پر ساری اُمّت کے عمل کی بنیاد ہے) تو اگر نئی روشنی کے اجتہاد کے اس دعویٰ کو تسلیم کر لیا جائے کہ:

"جس چیز کے متعلق قرآن خاموش ہے اور اس کا تعلق عقائد یا عبادات سے ہے تو پھر وہ چیز دین میں "کان لم یکن شیئاً مذکورا" اور بالکل بے اصل ہے"

تو نماز تک کی کوئی متعیّن شکل نہیں ہو سکتی ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

جیسا کہ عرض کیا گیا بہت ممکن ہے کہ جن صاحب نے مسئلہ ایصالِ ثواب پر کلام کرتے ہوئے یہ الفاظ لکھے ہیں ان کی مراد اتنی عام نہ ہو، لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہ گمراہی سخت جاہلانہ ہونے کے باوجود آج کل عام ہے اور کتنے ہی بی۔ اے، ایم۔ اے پاس قسم کے نئی روشنی کے مجتہدین ہیں جو اس قسم کے مضامین پڑھ پڑھ کر ہی دین کے ساتھ تلاعب کرتے رہتے ہیں۔ اگر اس قسم کی علمی بدتمیزی کی عبرت ناک مثال دیکھنی ہو تو پنجاب کے ایک منکر حدیث صاحب کا صرف ایک رسالہ "صلوٰۃ المرسلین" دیکھنا کافی ہوگا جو کئی سال ہوئے ان صاحب نے "نظامی پریس بدایوں" میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔ جس میں مسلمانوں کی نماز کو غیر قرآنی، بلکہ قطعاً خلافِ قرآن ثابت کرنے کے بعد اپنی طرف سے نماز کا ایک نیا طریقہ اس دعوے کے ساتھ پیش کیا تھا کہ یہی قرآنی نماز ہے اور انبیاء و مُرسلین بس ایسی ہی نماز پڑھا کرتے تھے۔

بہر حال اگر اس اُصول کو تسلیم کر لیا جائے کہ عقائد و عبادات کے متعلق جو چیز قرآن میں مذکور نہ ہو وہ دین میں بے اصل ہے تو سارا دین ایک متعین دستورِ حیات ہونے کے بجائے آوارگانِ عصر کی آرزوؤں

کے مطابق محض ایک مُبہم فلسفہ ہوکر رہ جائیگا، جس کی نہ نماز متعیّن ہوگی نہ روزہ نہ کچھ اور، مجھے معلوم ہے کہ جن صاحب کی عبارت اُوپر منقول ہوئی ہے وہ خود اس خیال کے نہیں ہیں، بلکہ نماز وغیرہ کے جو ارکان اور تفصیلات صاحبِ نبوّتؐ سے ثابت ہیں وہ ان سب کو واجب الاتباع جانتے ہیں۔ پس ان سے عرض کرنا یہ ہے کہ جب نماز کے ارکان اور اس کے متعلق دیگر ضروری چیزوں سے قرآن مجید کے خاموش ہونے کے باوجود ارشاداتِ نبوی اور اسوۂ نبوی سے ہم یہ چیزیں لیتے ہیں اور ان کو حجّتِ دین سمجھتے ہوئے واجب العمل جانتے ہیں تو پھر اسی سرچشمہ سے اگر "ایصالِ ثواب" جیسے مسائل معلوم ہوں (حالانکہ ان کی اہمیّت کو نماز اور اس کے متعلقات کی اہمیّت سے کوئی نسبت نہیں ہے) تو پھر وہ کیوں قابلِ اتباع نہ ہوں گے۔

علیٰ ہذا یہ حضرات اس بھی انکار نہیں کر سکتے کہ بہت سی حرام غذاؤں کے حُرمت کے بیان سے قرآن خاموش ہے (حتیٰ کہ کتّے کی حُرمت بھی قرآن شریف میں کہیں صاف بیان نہیں کی گئی ہے) اور یہ سب چیزیں صاحبِ نبوّت ہی کے ارشادات اور آپ کے اسوہ ہی سے معلوم ہوتی ہیں اور اس بارے میں جو کچھ آپ سے ثابت ہوجائے وہ سب واجب الاتباع ہے۔ تو ایصالِ ثواب جیسے مسائل میں قرآن مجید اگر خاموش ہو، لیکن سُنّتِ نبوی ناطق ہو تو کیوں وہ احکام نبوی واجب الاتباع نہ ہوں گے۔ اگر صحیح غور و فکر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں کوئی اور درمیانی راہ نہیں ہے۔ صرف دو ہی راہیں ہیں ایک یہ کہ "ماجاء من عنداللہ" یعنی وحی الٰہی کو صرف قرآن میں منحصر مانا جائے اور صاف کہہ دیا جائے کہ جو چیز قرآن میں نہیں ہے وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے اس اصول پر تو ہر اس چیز کے امرِ دینی سے انکار ہی کرنا صحیح ہوگا جو قرآن میں بیان نہ کی گئی ہو خواہ وہ کسی باب کی ہو۔

اور دوسری راہ یہ ہے کہ "ماجاء من عنداللہ" کو قرآن میں منحصر نہ سمجھا جائے، بلکہ مانا جائے کہ اللہ کے رسول پر قرآن کے علاوہ بھی وحی ہوتی تھی اور اس لئے دین کے کسی شعبہ میں بھی اگر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کوئی حکم اور کوئی بات قابلِ وثوق طریقہ سے ثابت ہوجائے تو اس کو واجب الاتباع مان کر اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا جائے خواہ وہ عقائد سے متعلق ہو یا عبادات سے، معاملات سے متعلق ہو یا حلال و حرام سے، قرآن اس سے خاموش ہو یا اس کے بارہ میں ناطق۔ بہرحال یہ مان لینے کے بعد کہ دین کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اوامر الٰہیہ کے ترجمان تھے اور قرآن مجید کے علاوہ بھی آپ پر وحی ہوتی تھی (جس کو وحی غیر متلو کہتے ہیں اور اسی وحی سے نماز وغیرہ کی تفصیلات متعین ہوئی ہیں) اس قسم کے نظریات کی کوئی گنجائش

نہیں رہتی کہ :

" قرآن جن چیزوں سے خاموش ہو اور ان کا تعلق عقائد یا عبادات سے ہو تو وہ دین میں سرے سے بے اصل اور کان لم یکن شیئاً مذکوراً ہیں "

پس اگر ایصالِ ثواب کی تعلیم سے قرآنِ مجید خاموش بھی ہے، لیکن سُنّتِ نبوی سے صرف صحیح اسانید ہی کے ساتھ نہیں، بلکہ "بہ تواتر قدر مشترک" وہ ثابت ہے، پھر اُمّت کے عملی تواتر اور ائمہ دین کے تمام طبقات فقہاء و مجتہدین، محدثین و مفسرین کے اجماع و اتفاق نے اس کے ثبوت کو اور بھی زیادہ قطعی اور یقینی کر دیا ہے تو یقیناً وہ حق ہے۔ وماذا بعد الحق الا الضلال۔

دُوسرا شُبہ : دُوسرا شبہ اسی قسم کا یہ کیا جاتا ہے کہ اگر "ایصالِ ثواب" کا نظریہ صحیح ہوتا تو عہدِ نبویؐ اور عہدِ صحابہ میں اس پر عام طور سے عمل کیا جاتا، حالانکہ یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس زمانہ میں ایصال ثواب کا معمول ہو اور لوگ عام طور سے ایسا کرتے ہوں۔

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ عہدِ نبویؐ اور عہدِ صحابہ میں اموات کی طرف سے اور ان کی نفع رسانی کے لیے صدقہ و خیرات کرنے، قربانی کرنے، غلام آزاد کرنے، حتیٰ کہ روزہ نماز اور حج کرنے کے متعدد واقعات ہماری پیش کردہ روایات سے معلوم ہو چکے ہیں اور نفس مسئلہ کے ثبوت کے لیے اتنا ہی کافی بلکہ کافی سے زائد ہے۔

علاوہ ازیں صحابہ کرام سے اس قسم کی کسی چیز کا عام طور سے منقول نہ ہونا اس بات کی ہرگز دلیل نہیں بن سکتا کہ وہ کبھی اس کو کرتے ہی نہ تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ جن اُمور میں اعلان و اظہار اور تداعی مطلوب ہو جیسے کہ مثلاً فرض نمازوں کا جماعت سے مسجدوں میں پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، حج کرنا، قربانی کرنا وغیرہ وغیرہ۔ سو یہ سارے کام چونکہ علی الاعلان کرنے کے ہیں اس لیے ایک دوسرے کو ان کا علم ہونا اور پھر نقل کیا جانا قرینِ قیاس ہے، لیکن جن کاموں کی یہ حیثیّت نہیں ہے مثلاً غریب پڑوسیوں اور غریب عزیزوں قریبوں کے ساتھ کچھ سلوک کرنا، یتیموں اور بیواؤں کی خبر لینا وغیرہ وغیرہ جن میں اخفا ہی بہتر ہوتا ہے تو ظاہر کہ ان کاموں کا اظہار و اشتہار چونکہ مناسب نہیں اس لیے دوسروں کے علم میں وہ بہت کم آسکیں گے اور اس واسطے ان کی نقل و روایت بھی نہ ہو سکے گی۔ صحابہ کرامؓ کا عام طرز یہ تھا کہ اس قسم کے کاموں میں وہ اخفاء کو پسند فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اجتماعی قسم کے دینی کاموں کے علاوہ اس قسم کی انفرادی نیکیاں ان سے بہت زیادہ منقول نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ "ایصالِ ثواب" بھی ایسی ہی چیز ہے کہ

اس کا اعلان واظہار مناسب نہیں۔ یہ اللہ کے زندہ بندہ کی طرف سے کسی مردہ بندہ کے ساتھ حسنِ سلوک ہی تو ہے اور وہ بھی ایسا کہ نہ اس کو اللہ نے فرض کیا ہے نہ واجب۔ بہرحال یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ سے اس کے کرنے کا ثبوت بہت زیادہ نہیں ملتا اور یہ "ایصالِ ثواب" ہی کی خصوصیت نہیں ہے۔ اموات مومنین ومومنات کے لیے دعا استغفار جو نص قرآن سے ثابت ہے بالخصوص والدین کے لیے دُعائے رحمت ومغفرت کا حال بھی یہی ہے کہ صحابہ کرام سے اس کا بطریق عموم معلوم ہونا روایات سے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اس میں شک ہو تو کیا ہمارے "مخاطبین" کتب احادیث وآثار سے عام صحابہ کے متعلق دکھلا سکتے ہیں کہ وہ اپنے والدین اور عام مومنین ومومنات کے لیے اس طرح مغفرت ورحمت کی دعائیں اللہ تعالیٰ سے کیا کرتے تھے؟ قریباً ایک لاکھ صحابیوں میں سے صرف ایک سو صحابیوں ہی سے اس کا ثبوت پیش کر دیا جائے۔ یقیناً روایات سے اس کا ثبوت نہیں دیا جاسکتا تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہوگا کہ قرآنِ پاک میں صریح حکم ہونے کے باوجود عام صحابہ اس پر عمل نہیں کیا کرتے تھے؟

بہرحال اصل حقیقت یہی ہے کہ جس چیز کو اللہ نے فرض وواجب نہیں کیا اور جس عمل میں بجائے اعلان واظہار کے اخفا اولیٰ واحسن ہو اس کے متعلق قرینِ قیاس یہی ہے کہ اس کا عملی ثبوت کم ملے۔ پس ہمارے ذخیرہ احادیث وروایات میں "ایصالِ ثواب" کے واقعات اگر کم ملتے ہیں تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا اور یہ ثابت کرنا کہ صحابہ کرامؓ میں "ایصالِ ثواب" رائج ہی نہ تھا بہت ہی ادنیٰ درجہ کی علمی غلطی ہے۔ ہاں حقیقتِ دین سے ناواقف طبقوں میں آج کل جس طرح اعلان اور تداعی کے ساتھ اجتماعی طور سے "ایصالِ ثواب" کے نام سے بہت سی رسمیں ادا کی جاتی ہیں اور اس کو جو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے کہ اپنے فرائض نماز، روزہ وغیرہ کا بھی اتنا اہتمام نہیں کہ جتنا "ایصالِ ثواب" کی ان رسموں کی ادائیگی کا تو اس کے متعلق یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ اگر عہد صحابہ وتابعین میں ایسا ہوتا تو ضرور منقول ہوتا، کیونکہ اعلان وتداعی کے ساتھ اجتماعی طور پر جو کام کیے جائیں ان کا منقول ہو کر ہم تک پہنچنا عقلاً وعادتاً ضروری ہے، لیکن ہماری بحث صرف اُصولی مسئلہ میں ہے۔ مروجہ تیجہ دسواں وغیرہ جیسی لغو اور جاہلانہ رسموں کے غلط بلکہ بدعت ومعصیت ہونے میں کوئی صاحب علم شک کر سکتا ہے؟

الحاصل، عہدِ نبوی اور قرنِ صحابہ میں "ایصالِ ثواب" کے عملی واقعات کا ثبوت جو کم ملتا ہے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ صحابہ کرام "ایصالِ ثواب" اور اموات کی نفع رسانی کے لیے کوئی عمل کیا ہی نہیں کرتے

تھے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ کام چونکہ ان ہی نیکیوں میں سے ہے جن کو چھپا کر کرنا چاہیئے اور اعلان و اظہار اس کے لیے مناسب نہیں ہے۔ اس لیے صحابہ کرام نے اس کو اعلان و اظہار کے ساتھ نہیں کیا اور اس لیے اُس کے واقعات ہم تک کم پہنچے، بلکہ غور کرنے کی بات ہے کہ یہ جو چند متفرق واقعات احادیث سے معلوم بھی ہوتے ہیں وہ بھی اس وجہ سے نقل و روایت میں آگئے ہیں کہ کسی صحابی نے مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے جواب دیا یا اسی طرح کسی صحابی سے سوال کیا گیا اور انھوں نے جواب دے دیا یا کوئی اور ایسا ہی محرک پیش آگیا تو اظہار کر دیا گیا۔

بہر حال جو واقعات اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس سلسلہ میں کتب احادیث میں درج ہو گئے ہیں وہ بھی سوالات کی کھود کرید یا کسی اور محرک کی وجہ سے ظاہر ہو گئے ہیں، ورنہ شاید ان پر بھی پردہ پڑا رہتا۔ مثلاً حضرت سعدؓ کا اپنی والدہ کی طرف سے کنواں اور باغ وقف کرنا یا بعض اور صحابہ کا حضرت سے صدقہ عن المیت اور حج عن المیت وغیرہ کے متعلق سوال کرنا اور اس پر عمل کرنا یا حضرت علیؓ کو دو قربانی کرتا دیکھ کر کسی شخص کا ان سے دریافت کرنا کہ یہ دو قربانی آپ کس لیے کرتے ہیں؟ اور حضرت علیؓ کا بتلانا کہ دوسری قربانی میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کرتا ہوں تو ظاہر ہے کہ یہ ساری چیزیں سوال کرنے والوں کی کھود کرید نے ظاہر کیں۔ الغرض صحابہ کرام کے حالات سے یہ بہت ہی مستبعد ہے کہ وہ اموات کے لیے کوئی نیک کام کریں اور دوسروں کو جتلائیں کہ یہ ہم فلاں کو ثواب پہنچانے کے لیے کر رہے ہیں۔ بہر حال ایصالِ ثواب کے عملی واقعات کے زیادہ منقول ہونے کی اصل وجہ یہی ہے، نہ یہ کہ اس باب میں وہ کچھ کرتے ہی نہ تھے۔ واللہ اعلم۔

انتقالِ پُر ملال

گزشتہ ماہ ہمارے بہت سے مخلصین و معاونین کو صدمات پیش آئے اور بعض اللہ کو پیارے ہوئے الحاج بھائی صالحین صاحب مرحوم مالک سونیکا جیولرز جو بھائی مسلم صاحب کے والد اور بھائی یٰسین صاحب کے بڑے بھائی تھے وفات پا گئے۔ اسی طرح بھائی آفتاب الدین صاحب کے والد بزرگوار بھی رحلت فرما گئے۔ نیز ڈاکٹر سعید مستنصر صاحب اور اُن کی اہلیہ صاحبہ کی پھوپھی صاحبہ جو کہ بہت پاکباز عابدہ زاہدہ خاتون تھیں طویل علالت کے بعد وفات پا گئیں۔ اِنّا للہ و اِنّا اِلیہ راجعون۔ دُعا ہے کہ اللہ پاک جملہ مرحومین کی مغفرت فرما کر اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین۔ قارئین سے بھی ایصالِ ثواب اور دُعائے مغفرت کی خصوصی درخواست ہے۔ (ادارہ)

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الواحد
مدرّس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

ایک شخص زید نے بکر کو ایک لاکھ روپے قرض دیے یا بکر کے ہاتھ کوئی شے ایک لاکھ روپے میں ادھار فروخت کی۔ بکر نے دَین کی ادائیگی میں مثلاً دس سال کی تاخیر کی، اَب جبکہ دس سال بعد روپے کی قیمت پہلے سے بہت زیادہ گر چکی ہے کیا زید مجبور ہوگا کہ وہ بکر سے فقط ایک لاکھ روپے وصول کرے یا روپے کی قیمت میں کمی کے تناسب سے زائد رقم وصول کرنے کا مجاز ہوگا۔ اگر وہ فقط وہی ایک لاکھ روپے وصول کرے تو اس میں زید کا بڑا نقصان ہے اور اس طرح تو ادھار لین دین کرنا اور قرض دینا مسدود ہو جائے گا جس میں ظاہر ہے کہ بڑا حرج ہے اور اگر وہ زائد رقم لے تو اس میں سود ہونے کا اندیشہ ہے۔ شریعت کا اس بارے میں جو حکم ہو بیان فرمائیں۔

الجواب باسم ملهم الصواب حامدا ومصليا۔

جواب کے لیے دو مقدمات کو جاننا ضروری ہے۔

① روپیہ نام ہے دھات کے سکے کا جو کہ ہماری حکومت جاری کرتی ہے۔ روپے کا کاغذ کا نوٹ اس کا متبادل ہے۔ فقہاء جس کو فلوس شمار کرتے ہیں روپیہ بھی اُن ہی میں سے ہے۔

② سونا چاندی ثمنِ خِلقی ہیں۔ ہدایہ باب الربوا میں ہے

بخلاف النقود لانها للثمنية خِلقةً "

اور عنایہ میں ہے "لانها للثمنية خلقةً لا اصطلاحًا فلا تبطل باصطلاحهما"

اَب ہم کہتے ہیں کہ چونکہ سونا اور چاندی خِلقتاً ثمن ہیں لہٰذا وہ اصطلاحی و عرفی ثمن کے لیے معیار بن سکتے ہیں اور اس طرح صورتِ مسئولہ میں زید کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ ایک لاکھ روپے میں قرض یا ادھار

دیتے وقت جس قدر سونا یا چاندی (جو بھی کم ہو) آتی تھی۔ اَب دس سال کے بعد روپے کی قیمت میں کمی ہونے کی وجہ سے اتنا ہی سونا یا چاندی وصول کر سکتا ہے۔ مثلاً اگر دس سال پیشتر قرض دینے کے وقت ایک لاکھ روپیہ کی "پچیس سو تولہ چاندی آتی تھی تو زید کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بکر سے بجائے ایک لاکھ روپے وصول کرنے کے پچیس سو تولہ چاندی وصول کرے (اگرچہ اَب ایک لاکھ روپے کی پچیس سو تولہ کے بجائے پندرہ سو تولہ چاندی آتی ہو) البتہ اگر زید چاہے کہ اپنا قرض روپوں کی شکل ہی میں وصول کرے تو وہ ایک لاکھ روپے سے زیادہ وصول نہیں کر سکتا کہ زائد واضح طور پر سود ہوگا کیونکہ ایک ہی جنس میں ایک جانب کم ہے اور دوسری جانب زائد۔

مندرجہ ذیل عباراتِ فقہیہ میں صراحت موجود ہے۔

"... أما اذا غلت قیمتها أو انتقصت فالبیع علی حاله ولا یتخیر المشتری ویطالب بالنقد بذلك العیار الذی کان وقت البیع کذا فی فتح القدیر۔ وفی البزازیة عن المنتقی غلت القلوس أو رخصت فعند الإمام الاوّل والثانی أوّلا لیس علیه غیرها وقال الثانی ثانیا علیه قیمتها من الدراهم یوم البیع والقبض وعلیه الفتوٰی وهکذا فی الذخیرة والخلاصة عن المنتقٰی ونقله فی البحر واقره حیث صرح بان الفتوٰی علیه فی کثیر من المعتبرات فیجب ان یعول علیه افتاءً وقضاءً ولو أرمن جعل الفتوی علی قول الامام هذا خلاصة ماذکره المصنف رحمه الله تعالٰی فی رسالته بذل المجهود فی مسئلة تغیر النقود

وفی الذخیرة عن المنتقی اذا غلت الفلوس قبل القبض أو رخصت قال ابو یوسف قولی وقول أبی حنیفة فی ذلك سواء ولیس له غیرها ثم رجع ابو یوسف وقال علیه قیمتها من الدراهم یوم وقع البیع ویوم وقع القبض اھ وقوله یوم وقع البیع ای فی صورة البیع وقوله یوم وقع القبض ای فی صورة القرض کما نبه علیه فی النهر فی باب الصرف۔

ے ڈالر یا پاؤنڈ وغیرہ کو بھی معیار نہیں بنایا جا سکتا، کیونکہ معیار وہ ہوتا ہے جو خود غیر متبدل ہو جبکہ ڈالر اور پاؤنڈ وغیرہ کی مالیت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ فقط (منہ)

وحاصل ما مرانه على قول ابى يوسف المفتى به لا فرق بين الكساد والانقطاع والرخص والغلاء فى انه تجب قيمتها يوم وقع البيع أو القرض لا مثلها۔

وفى دعوى البزازية من النوع الخامس عشر عن فوائد الامام ابى حفص الكبير استقرض منه دانق فلوس حال كونها عشرة بدانق فصارت ستة بدانق أو رخص وصار عشرون بدانق يأخذ منه عدد ما اعطى ولا يزيد ولا ينقص اه قلت هذا مبنى على قول الامام وهو قول ابى يوسف أولا وقد علمت ان المفتى به قوله ثانيا بوجوب قيمتها يوم القرض وهو دانق اى سدس درهم سواء صار الآن ستة فلوس بدانق أوعشرين بدانق تأمل (رد المحتار ص ۲۷/۴ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

ولوكان يروج لكن انتقص قيمته ... وفتوى الامام قاضى ظهير الدين على انه يطالب بالدراهم التى يوم البيع يعنى بذلك العيار ولا يرجع عليه بالتفاوت (رسائل ابن عابدين ص ۶۱/۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالواحد

بقیہ: فراستِ مومن

ہوئے یہ وہ زمانہ تھا کہ وہاں کے گورنر حضرت عثمان رضؓ بن ابی العاص ثقفی تھے کچھ دن وہاں مقیم رہے اور وہاں بھی کسی گاؤں کی کسی رئیس کی عورت سے سلسلہ محبّت شروع کر دیا یہ خبر بھی چھپ نہ سکی حضرت عثمان رضؓ نے ان کو طلب فرمایا کہ امیرالمومنین اور ابوموسیٰ نے اِن ہی شنائع کی وجہ سے تم کو جلا وطن کیا تھا۔

اس واقعہ کو سن لینے کے بعد غالباً اس میں شبہہ نہیں رہ سکتا ہے کہ فراست کے لیے تھوڑی سی تحریک ضروری ہوتی ہے۔ فاروق اعظم رضؓ نہ اس عورت کے یہ گیت سنتے اور نہ اس طرف توجہ ہوتی، لیکن اس معمولی تحریک کے بعد فاروق اعظم رضؓ کی نظر وہاں تک پہنچی جہاں تک ہر شخص کی نظر نہیں پہنچ سکتی، لیکن یہ ضروری نہیں کہ صاحبِ فراست کے لیے ہر وقت یہ فراست اسی طرح کام دے بلکہ جس طرح مختلف ملکات والے اپنے ملکات سے کسی وقت کام لے سکتے ہیں کسی وقت نہیں اسی طرح صاحبِ فراست بھی کسی وقت اس فراست سے بہت دور تک پہنچ جاتا ہے اور بعض اوقات معاملات کے انجام کا وہم تک بھی نہیں ہوتا ہے۔

مولانا نعیم الدین صاحب، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

صُورت کا اثر سیرت پر

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ صُورت کا اثر سیرت پر اور ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے اسی لیے اسلام میں اپنی شکل و صُورت اور لباس و پوشاک کو انبیاء و صالحین کی شکل و صورت اور لباس و پوشاک کی طرز پر رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے اور اس کے لیے خصوصی احکامات دیے گئے ہیں تاریخ کے حوالے سے ہم چند واقعات نقل کرتے ہیں جن سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے اور ماننا پڑتا ہے کہ واقعی صُورت کا اثر سیرت پر ضرور پڑتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے مقابلہ میں آنے والے جادُوگروں کے مُسلمان ہو جانے کی وجہ؟

حکیم الاُمّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"سیر کی روایت میں ہے کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے مقابلہ کے لیے ساحرین (جادُوگروں) کو جمع کیا تو وہ لوگ اسی لباس میں آئے تھے جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لباس تھا۔ آخر مقابلہ ہوتے ہی تمام ساحرین (جادُوگر) مسلمان ہو گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرتِ خداوندی میں عرض کیا کہ یا الٰہی یہ سامان فرعون کے اسلام کے لیے ہُوا تھا کیا سبب کہ اس پر فضل نہ ہُوا اور ساحرین کو توفیق ایمان کی ہو گئی؟ ارشاد ہُوا اے موسیٰ یہ تمہاری سی صورت بن کر آئے تھے ہماری رحمت نے پسند نہ کیا کہ ہمارے محبوب کے ہم وضع لوگ دوزخ میں جائیں، اس لیے ان کو توفیق ہو گئی اور فرعون کو چونکہ اتنی مناسبت بھی نہ تھی اس لیے اس کو یہ دولت نصیب نہ ہو سکی۔"[1]

---

[1] امثالِ عبرت ص۱۵

چند ڈاکوؤں کی حکایت | مولانا محمد ضمیر الدینؒ صاحب لکھتے ہیں:

ایک شہر میں اتفاقیہ چند ڈاکو جا پہنچے آپس میں کہنے لگے کہ ہوشیاری سے کام لینا چاہیے تاکہ ہم پکڑے نہ جائیں اُن کے سردار نے کہا کہ سب کے سب دُرویش صورت بن جاؤ، وہ بولے حضور یہ کیوں کر؟ سردار نے جواب دیا سب کپڑے رنگوالو اور ہاتھ میں ایک تسبیح لے کر سبحان اللہ سبحان اللہ کرتے رہو جہاں بھی جاؤ سوائے سبحان اللہ کے اور کچھ زبان پر مت لاؤ، چنانچہ سب شہر میں داخل ہوکر مہمان سرا میں ٹھہرے ایک مکان میں سارے حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے اور درمیان میں سردار بھی ایک لمبی چوڑی تسبیح لے کر بیٹھ گیا سب کے سب سوائے سبحان اللہ کے لب کشائی نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ تمام شہر میں مشہور ہوگیا کہ مہمان سرا میں ایک درویش صاحب باہر سے تشریف لائے ہیں سوا ذکر خدا کے ان کی زبان پر اور کچھ شغل نہیں ہے۔ شہر کے سب باشندے دُور سے آکر مصافحہ کرنے لگے اور اپنی حاجتیں بھی ظاہر کرنے لگے۔ اس شہر کے بادشاہ نے بھی ایک دن مع فوج کے آکر عرض کیا کہ درویش صاحب ہماری زہے قسمت کہ آپ نے ہمارے شہر میں قدم رنجہ فرمایا ہم کو بھی فیض حاصل ہوگا اور سب کی دعوت کی کہ آج غریب خانہ پر تشریف لائیں درویش صاحب نے بھی دعوت قبول کی۔ بادشاہ کا ایک لڑکا مدت سے مرض فالج میں مبتلا تھا بہت کچھ علاج کیا مگر کچھ نفع نہیں ہُوا، بادشاہ نے کھانا کھلانے کے بعد درویش صاحب سے یہ تمنا ظاہر کی کہ آپ مقبولِ بارگاہ ہیں ہمارے اس لڑکے کے حق میں دُعائے خیر کیجیے۔ تاکہ اللہ پاک اس کو شفا بخشے کیونکہ اس کے سوا میرا اور کوئی فرزند نہیں جس کو دیکھ کر میں خوش ہوں درویش صاحب مع کل مُریدین کے ہاتھ اُٹھا کر نہایت عجز و انکسار سے دُعا کرنے لگے۔ اے بارخدایا اگرچہ ہم سب گنہگار ہیں ولیکن تیرے بنائے ہُوئے بندے تو ہیں تیرا دَر چھوڑ کر کہاں گریہ وزاری کریں آج ہماری شرم تو ہی رکھنے والا ہے اِدھر ان کا رونا تھا اُدھر دریائے رحمت خداوندی کا جوش میں آنا اور اسی وقت دُعا قبول ہُوئی اور شاہزادے نے آرام پایا بس اس رحمتِ الٰہی کو درویش دیکھ کر دل میں کہنے لگا کہ ہم نے لوگوں کے دکھانے کے لیے یہ مکر کا نٹھ کر عابدوں کی سی صورت بنا لی تھی، اس ریاکاری میں جب یہ نتیجہ برآمد ہُوا تو معلوم نہیں اگر ہم خاص اللہ کے واسطے ہی ذکرِ الٰہی کرتے اور سچے طریقے سے عابد بن جاتے خُدا جانے کیا نفع ہوتا یہ کہہ کر سب نے اللہ کا نعرہ مارا اور

شہر سے دو بھائی کی جگہ جا پڑے لکھا ہے کہ سب کے سب ولی کامل بن گئے۔[1]

مذکورہ دونوں واقعات سے یہ بات بخوبی واضح ہو رہی ہے کہ صورت کا سیرت پر اثر پڑتا ہے ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

"یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اِبْکُوْا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِیْعُوْا فَتَبَاکَوْا"[2] (الحدیث)

اے لوگو رُوؤ اگر اگر رُو نہیں سکتے تو رونے والا منہ ہی بنالو،

ہمیں چاہیے کہ ہم انبیاء و صالحین کی شکل وصورت اور اُن جیسا لباس و پوشاک اپنائیں تا کہ ہمارے قلوب پر اس کا اثر ہو، ویسے بھی عام قاعدہ ہے کہ آدمی کو جس سے محبت ہوتی ہے اُسے اُس کی ہر ادا پیاری لگتی ہے اور وہ اُسے اپناتا ہے۔ جب ہمیں انبیاء و صالحین سے محبت ہے تو اس قاعدہ کے تحت اُن کی ہر ہر اَدا سے پیار ہونا چاہیے اور اُن کی ہر ہر ادا اپنانی چاہیے اور بزبان حال کہنا چاہیے۔

تیرے محبوب کی یا رَب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے بیں صورت لے کے آیا ہوں
نہ شوکت لے کے آیا ہوں نہ عظمت لے کے آیا ہوں
محبّت لے کے آیا ہوں محبت لے کے آیا ہوں

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

○

"انوارِ مدینہ" میں
اشتہار
دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

---

[1] وعظ بے نظیر ص : ۴۶-۴۷ [2] مشکوٰۃ ص : ۵۰۴

تبصرہ

نام کتاب : "مشکلات القرآن" (عربی)

مصنّف : حضرت علّامہ سیّد محمّد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ۔

صفحات : ۲۸۰

ناشر : ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان۔

قیمت : ۱۸۰ روپے

امام العصر حضرت علّامہ سیّد محمّد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۵۲/۱۹۳۴) کی شخصیت، محتاج تعارف نہیں، اللہ تعالیٰ نے جو علمی و عملی صلاحیتیں آپ کو عطا فرمائی تھیں بہت کم کسی کو نصیب ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے اساطینِ علم و فضل آپ کے مرتبہ و مقام اور علمی کمالات کے معترف ہیں۔

حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"میرے نزدیک حقانیتِ اسلام کی دلیلوں میں سے ایک دلیل حضرت مولانا انور شاہ صاحب کا اُمّتِ مسلمہ میں وجود ہے"

شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات پر منعقدہ جلسۂ تعزیت میں فرمایا:

"مَیں نے ہندوستان، حجاز، عراق، شام وغیرہ کے علماء فضلاء سے ملاقات کی اور مسائل علمیہ میں اُن سے گفتگو کی، لیکن تبحرِ علمی، وسعتِ معلومات جامعیت اور علومِ نقلیہ و عقلیہ کے احاطہ میں شاہ صاحب کا کوئی نظیر نہیں پایا"

زیرِ نظر کتاب "مشکلات القرآن" تفسیر قرآن سے متعلق حضرت شاہ صاحبؒ کی گراں قدر یادداشتوں کا مجموعہ ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب قرآنِ مجید اور اس کی تفسیر میں غور و فکر اور تدبّر فرماتے تو اس ضمن میں بہت سی اہم تفاسیر آپ کے زیرِ مطالعہ آتیں۔ آپ ان تفاسیر سے بہت سے گوہرِ نایاب چنتے اور اُنہیں مختصر الفاظ میں اپنی یادداشت کے لیے تحریر فرما لیا کرتے تھے۔ نیز وہ کتابیں جن میں موضوع سے متعلق اہم تفصیلات ہوتیں اُن کے حوالے بھی ان یادداشتوں میں تحریر فرما لیا کرتے تھے۔ "مشکلات القرآن" ان ہی آب دار موتیوں اور گراں قدر یادداشتوں کا مجموعہ ہے کتاب کے شروع میں محدّث العصر حضرت علّامہ سیّد محمّد یُوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا تحریر کردہ مقدمہ ہے جو "یتیمۃ البیان لمشکلات القرآن" کے نام سے موسوم ہے۔ اس مقدمہ میں آپ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی مختصر سوانح حیات ذکر کرنے کے بعد علوم قرآنی سے متعلّق بیش بہا معلومات درج فرمائی ہیں۔ نیز جدید و قدیم مفسّرین اور ان کی تفاسیر کا تعارف اور جن تفاسیر کو آپ علماء کے لیے اہم سمجھتے ہیں اُن کا تذکرہ فرمایا ہے۔

"مشکلات القرآن" پہلی بار مجلس علمی ڈھابیل سے حضرت شاہ صاحبؒ کے داماد حضرت مولانا سیّد احمد رضا بجنوری دامت برکاتہم نے شائع کی تھی، لیکن پھر یہ نایاب ہوگئی تھی ——— محترم جناب مولانا محمد اسحاق صاحب مالک ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان نے اسی نسخہ کا عکس لے کر اسے دوبارہ خوبصورت انداز میں شائع کر دیا ہے۔

کاغذ و طباعت عمدہ خُوبصورت ڈائی دار جلد سے مزین یہ کتاب بازار میں دستیاب ہے اُمید ہے شائقین علم و فن اس علمی سرمایہ کی قدر کریں گے۔ (ن ا)

نوٹ

جامعہ مدنیہ کے سالانہ امتحان کے مفصل نتائج اور ممتحن حضرات کی آراء آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

از ناظمِ تعلیمات